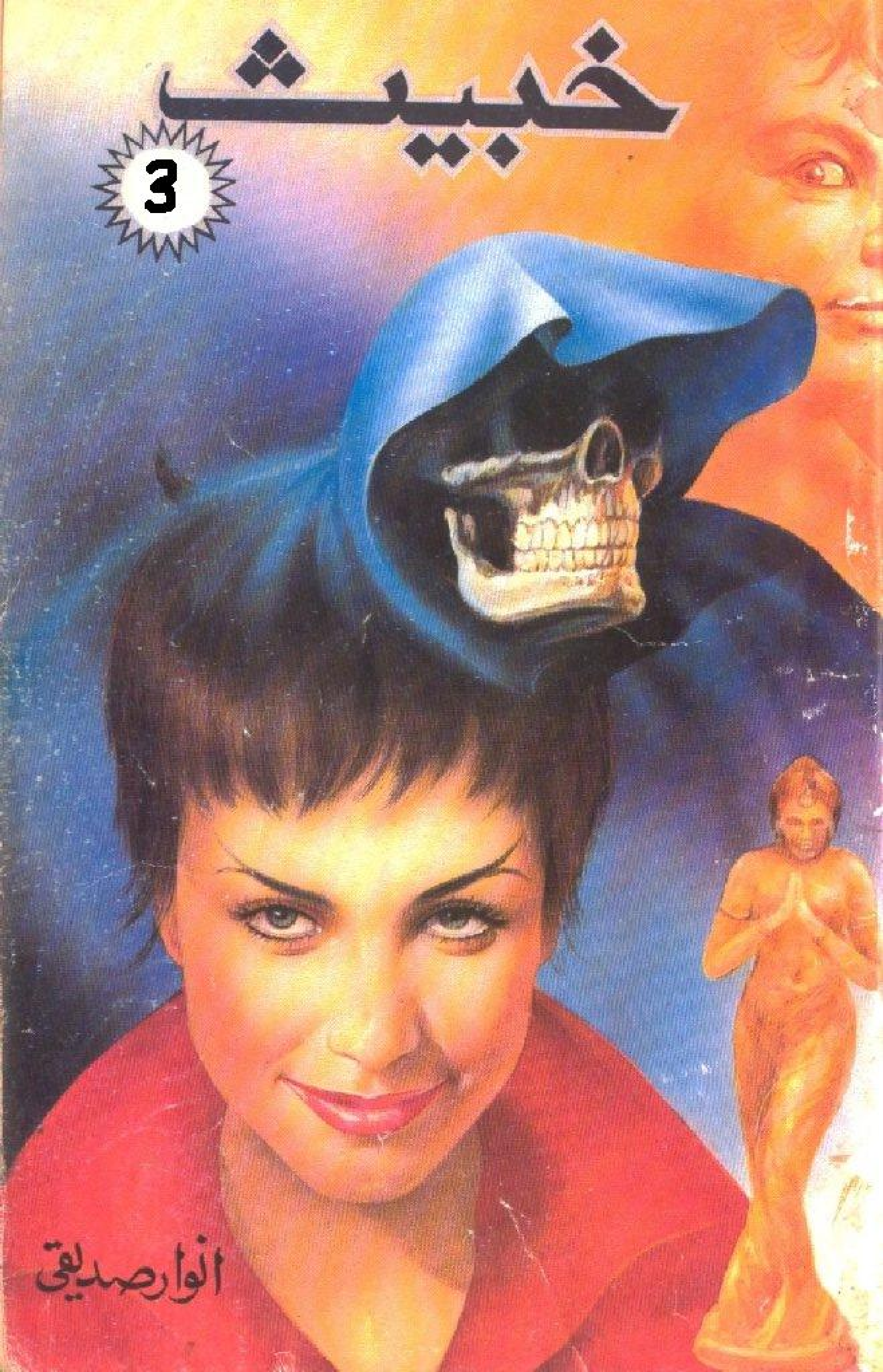
خبیث
3
انوار صدیقی

ایک پراسرار مورتی کے حصول کی خاطر ہونے والے خوفناک معرکے کا احوال

2680
Phone : 61940
Shaheen Library
SAHIWAL.

خبیث

3

انوار صدیقی

مکتبہ القریش سرکلر روڈ اردو بازار لاہور ۲

Scanned
By
Ali and Azam

Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

aazzamm@yahoo.com

Scanned
By
Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

ناشر : محمد علی قریشی
بااہتمام : عبدالحفیظ قریشی
مطبع : نیئر اسد پرنٹرز لاہور
بار اول : 1997ء
سرورق : ذاکر
تعداد : ایک ہزار
قیمت : -/40 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

وہ سچوایشن ہی ایسی تھی جس نے میرے ذہن کی تمام چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ کومل ورما کا ایک ہی وقت میں دو جگہ موجود ہونا میرے لیے حیران کن تھا۔ ایک میرے سامنے کرسی پر بندھی بیٹھی تھی عجیب سے انداز میں مسکرا رہی تھی۔ دوسری نے صبح فون پر جے شنکر پانڈے کے جشن صحت کے لیے ڈنر میں شرکت کی دعوت دی تھی؟

میرے ذہن میں متعدد سوالات ابھر رہے تھے۔

جے شنکر پانڈے کا ہولناک ایکسیڈنٹ سے بچ جانا تعجب خیز امر تھا۔ وہ کس کی شخصیت تھی جس نے بروقت پانڈے کو گاڑی کے مکمل تباہ ہونے سے پہلے ڈرائیونگ سیٹ سے اٹھا کر باہر فٹ پاتھ پر پھینک دیا تھا؟

شنکر نامی شخص کے پیچھے کس کا ہاتھ کام کر رہا تھا جس نے چتا کی آگ میں جل کر بھسم ہو جانے کے باوجود سراج کو فون کر کے یہ اطلاع دی تھی کہ وہ مرنے کے باوجود زندہ ہے اور اس کی بدروح جو چاہے گی وہی ہو گا؟ یہی بات اس شخص نے جے شنکر پانڈے سے کی تھی جس نے اسے فٹ پاتھ سے اٹھایا تھا اس نے بھی پانڈے کو اپنا نام شنکر ہی بتایا تھا اور وہی بات کی تھی جو فون پر سراج کو کہی گئی تھی۔ وہ شنکر نامی شخص کون تھا؟

کیا شنکر کی بدروح واقعی ابھی تک دنیا میں بھٹک رہی تھی یا اس کے پیچھے کوئی پراسرار ہاتھ تھا جو مختلف شخصیتوں سے ایک ہی بات کہلوا رہا تھا؟ وہ کومل ورما کون تھی جس نے اشوک کے فلیٹ پر میرے میک اپ میں جانے کی اطلاع دی تھی؟

کومل ورما کی ماں نے فون پر یہی بتایا تھا کہ اس کی دو جڑواں اور ہم شکل لڑکیاں تھیں جن سے موہنی نامی لڑکی چھت سے گر کر ہلاک ہو گئی تھی لیکن اس نے سراج سے کسی موہنی کے سلسلے میں قطعی انکار کر دیا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ کچھ ایسی ہی صورت پانڈے کے بیان سے بھی سامنے آئی تھی۔ اس نے سراج کو بیان دیا تھا کہ ایکسیڈنٹ کے بعد شنکر نامی آدمی اس سے ملا تھا لیکن جب میں پانڈے کی خیریت دریافت کرنے ہسپتال گیا تو پانڈے نے سرے سے اس بات سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ شنکر نامی کسی شخص کا نام وہ پہلی بار میری زبان سے سن رہا تھا۔ اس کا کون سا بیان درست تھا اور کون سا غلط؟

پانڈے کی گاڑی کو کسی حادثے سے دوچار کرنے اور پھر اسے موت کے منہ میں جانے سے بچا لینے میں کیا مصلحت تھی؟

کیا کومل ورما کی شخصیت محض ایک کھلونا بنی تھی جسے کوئی پراسرار قوت اپنی مرضی سے چلا رہی تھی؟

وہ پراسرار قوت کون تھی؟ شنکر کا آقا یا پھر لیڈی ملارنس؟

میرے ذہن میں ایک آخری سوال بڑی تیزی سے ابھرا۔

اگر وہ گاڑی کومل ورما ہی کی تھی جس سے موہنی کو اغوا کیا

aazzamm@yahoo.com

کیا تھا تو پھر کومل ورما کس گاڑی میں دفتر پہنچی تھی؟ میں نے کچھ سوچ کر دوبارہ بے شکر پانڈے سے رابطہ قائم کیا۔ اس بار کومل ورما کے بجائے کسی مرد کی بھاری آواز سنائی دی۔

"مجھے کومل ورما سے بات کرنی ہے۔"

"سوری۔۔۔ آج وہ دفتر نہیں آئی۔"

"کیا پانڈے جی موجود ہیں؟"

"جی نہیں۔ وہ ابھی تک گھر پر آرام کر رہے ہیں۔"

"آئی سی۔" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا کومل ورما نے چھٹی کی کوئی درخواست بھیجی تھی یا دفتر نہ آنے کا فون کیا تھا؟"

"اس نے ایک روز پہلے ہی اپنی چھٹی منظور کرا لی تھی۔ ویسے بائی دی وے آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا پھر ماسٹر ٹونی کو علیحدہ بلا کر اس کو ہدایت کی وہ ڈی ایس پی سراج کو فوری طور پر فون کر کے بلا لے۔ ٹونی کو کچھ اور ضروری ہدایت دینے کے بعد میں دوبارہ کومل ورما یا موہنی کے سامنے جا کر دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے مسٹر شہباز خان۔ تم کن دھیانوں میں گم ہو۔" اس نے بڑی بے پروائی سے دریافت کیا۔

"میں تمہیں کیا سمجھوں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔ "کومل ورما یا موہنی؟"

"جو تمہارے من میں آئے۔ میری صحت پر اس کا کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔

"میں نے تمہاری حیثیت کی تصدیق کی خاطر بے شکر کمپنی کو پہلا فون کیا تھا اسے کومل ورما ہی نے ریسیو کیا تھا۔"

"پھر۔۔۔ کیا اب بھی تم مجھے موہنی ماننے کو تیار نہیں۔"

"دوسری بار فون پر مجھے بتایا گیا ہے کہ آج کومل ورما چھٹی پر ہے جس کی منظوری اس نے ایک دن پہلے ہی حاصل کر لی تھی۔" میں نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔ "کیا تم صاف گوئی سے کام نہیں لے سکتیں؟"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ میں موہنی ہوں۔"

"موہنی نہیں بلکہ اس کی بدروح۔" میں نے تصحیح کی۔ "تمہاری ماں کے ایک بیان کے مطابق تم چھت سے گر کر ہلاک ہو چکی ہو لیکن۔۔۔۔"

"جب تمہارے حمر پولیس آفیسر نے میری ماتا جی سے ملاقات کی تھی تو انہوں نے موہنی کے وجود سے ہی انکار کر دیا تھا۔" وہ بے پروائی سے بولی۔ "تم شاید اسی الجھن کا شکار ہو کیوں؟"

"ہاں۔"

"دراصل ماتا جی کو میں نے منع کیا تھا کہ وہ میرا اس جنم کا ذکر دوسری بار کسی سے نہ کریں۔ اسی کارن انہوں نے سراج سے کہا تھا کہ موہنی نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتیں۔"

"چلو مانے لیتے ہیں لیکن دو سوال ابھی باقی رہ جاتے ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"وہ لڑکی کون تھی جس نے میری پہلی کال کو کومل ورما کی آواز میں ریسیو کیا تھا جبکہ کومل ورما چھٹی پر ہے۔"

"تم بچوں جیسی مورکھ باتیں کر رہے ہو۔" اس نے اپنی نہیں بلکہ میری بے بسی کا مذاق اڑاتے ہوئے جواب دیا۔ "جب تم مجھے موہنی کی بھٹکتی ہوئی آتما مان چکے ہو تو پھر یہ بھی جان لو کہ آتماؤں کی شکتی مہان ہوتی ہے۔ وہ جو رنگ جو روپ چاہیں دھار سکتی ہیں۔"

"کیا اشوک اور شیتل کو بھی تمہاری شکتی نے زلوک سدھارنے کی خاطر گلا گھونٹ کر مارا تھا؟"

"ہاں۔ میں اس سے انکار نہیں کروں گی۔" وہ اچانک سنجیدہ ہو گئی۔ "پرنتو تم اس کا کارن جاننے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"میرے بارے میں تم کیا جانتی ہو؟"

"تم بزنس میں آنے سے پہلے ایک اعلیٰ پولیس آفیسر بھی رہ چکے ہو۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا اشوک سے تمہاری دشمنی تھی یا پھر اس نے تمہارے ساتھ۔۔۔۔"

"تم قسمت کے دھنی ہو شہباز خان۔" وہ میرا جملہ کاٹ کر بھرے ہوئے لہجے میں بولی۔ "ایک چھایا ہے جو تمہاری سہائتا کر رہی ہے لیکن جس دن بھی اس چھایا کا جال ٹوٹ گیا وہ تمہارے جیون کا آخری دن ہوگا۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ اس وقت تم نے کومل ورما کے سندر شریر پر قبضہ جما رکھا ہے؟" میں نے اسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کی مجھے سراج کی آمد تک اسے روکے رکھنا تھا تاکہ کومل ورما کے معمے کو حل کیا جا سکے۔

"نہیں۔ مگر میں نے یہ روپ تمہارے ہی کارن دھارا ہے تاکہ ماسٹر ٹونی کو مجھے اغوا کرتے وقت کوئی اچنبھا نہ ہو۔" اس نے تلملا کر کہا۔ "ویسے تم نے ماسٹر ٹونی کو درمیان میں لا کر اچھا نہیں کیا۔ وہ غریب تو پہلے ہی تمہاری تنگ حالی میں اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہو چکا ہے۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم کاکا کی مہان شکتی ہو جو اس بار موہنی کے نام سے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہے۔" میرا لہجہ معنی خیز تھا۔ جواب میں اس نے بس ایک پل کے لیے مجھے عجیب نگاہوں سے دیکھا پھر سپاٹ آواز میں بولی۔ "کاکا۔۔۔ میں نہیں سمجھی کہ تم کس کاکا کی بات کر رہے ہو؟"

"وہی جس نے میری خاطر شنکر کو ناگ رانی بن کر ڈس لیا تھا۔"

"نہیں۔۔۔ میں کسی بھی کاکا کو نہیں جانتی۔"

"گینڈی ملارنس کے بارے میں تم کیا جواب دو گی؟" میں نے اسے کریدنے کی خاطر دوسرا رخ اختیار کیا۔

"یہ نام میں پہلی بار سن رہی ہوں۔" اس نے تیزی سے جواب دیا۔

"اور پنڈت جیسی دھرم۔" میں نے ایک اور داؤ آزمایا۔ "وہی جسے شنکر اپنے گرو دیو سمجھتا تھا۔"

"جب میں شنکری کو نہیں جانتی تو پھر پنڈت جیسی دھرم کو کیسے جان سکتی ہوں؟"

"پھر۔۔۔" میں نے پولیس افسرانہ لہجے میں سوال کیا۔ "تم یہ سب کھیل تماشے کیوں کر رہی ہو؟"

"تمہیں نشٹ کرنے کی خاطر۔" اس کی آنکھوں میں میرے لیے حقارت تھی۔

"میری ذات سے تمہیں کیا نقصان پہنچا ہے؟"

"سمے آنے دو۔" اس نے بدستور نفرت کا اظہار کیا۔ "ساری گتھائیں ایک ایک کر کے کھل جائیں گی۔"

"کومل ورما کے سوس جوائن کرنے سے پہلے بے شکر نام کی کمپنی سے دو چار لوگ ہی واقف تھے لیکن آج پر ست اس کی بے بے کار ہو رہی ہے کیا اس میں بھی تمہارا ہاتھ ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر تمہاری پراسرار مہان آتما اس ٹینڈر کے سلسلے میں پانڈے جی کی سہائتا کیوں نہیں کر سکی جس کی وجہ سے تمہارے منحوس پنچھی نے مجھے میرے باپ کے سائے سے محروم کر دیا۔"

میں نے اسے حقارت بھری نظروں سے دیکھا۔

"تم تو ابھی سے پاگل ہو گئے۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔ "ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے مہاراج۔"

"تمہاری دشمنی اگر مجھ سے ہے تو پھر تم اپنی مہان شکتی کو میرے خلاف استعمال کیوں نہیں کرتیں؟"

"کہا نا بھولے ناتھ کہ کوئی چھایا ہے جس نے تمہارے چاروں اور ایک منڈل کھینچ رکھا ہے پرنتو اب اس کے ٹوٹنے کے دن قریب آ رہے ہیں۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔ "مہان گتھیاں ایک نہ ایک دن تمہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گی۔"

"وہ شبھ دن کب آئے گا؟" میں نے اس کی بات کا مضحکہ اڑاتے ہوئے اپنی صندلی انگوٹھی کی جانب کن انکھیوں سے دیکھا۔

"تمہیں زیادہ دیر اس شبھ دن کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "پریم اور یدھ میں سب چلتا ہے۔ ہم تمہارے ہاتھ پیر کے ایسے ٹکڑے کر دیں گے کہ تم سارا جیون پاگل رہو گے۔"

"کیا تم دن میں بھی سپنا دیکھنے کی عادی ہو۔" میں نے اس کا مذاق اڑایا پھر اپنی دستی گھڑی کی جانب دیکھا۔ میرے اندازے کے مطابق اتنا وقت گزر چکا تھا کہ سراج وہاں کسی بھی لمحے پہنچ سکتا تھا۔

"تمہیں شاید اپنے حمر سراج کا انتظار ہے۔ کیوں؟" اس نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر جواب دیا۔ "چتا مت کرو۔ وہ بس پل دو پل میں آنے ہی والا ہے۔ اچھا ہے میری شکتی کا چمتکار دیکھ کر اسے بھی بہت کچھ بھولی بسری باتیں یاد آ جائیں گی۔"

موہنی یا کومل ورما نے غلط نہیں کہا تھا۔ اس کا جملہ پورا ہوتے ہی سراج اپنے دو ماتحتوں اور ماسٹر ٹونی کے ساتھ گودام کمپیو کے کمرے میں داخل ہوا لیکن کرسی سے بندھی لڑکی کو دیکھتے ہی وہ اس انداز میں چونکا تھا جیسے اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔ پھٹی پھٹی نظروں سے وہ کومل ورما یا موہنی کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے ماتحتوں کی حالت بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے مسٹر شہباز؟" اس نے تعجب خیز انداز میں کہا۔ "کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟"

"کیا مطلب؟" اس بار میں چونکا تھا۔

"ٹونی کے ذریعے ملنے والی اطلاع کے بعد میں سیدھا کومل ورما سے ملنے اس کے گھر گیا تھا اور ابھی اس سے ملنے کے بعد سیدھا اسی طرف آ رہا ہوں لیکن۔۔۔۔"

"میں کومل ورما نہیں ہوں شری سراج۔ میرا شبھ نام موہنی ہے۔"

"موہنی۔" سراج نے حیرت سے اس نام کو دہرایا پھر اچانک اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اس نے موہنی کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر تم موہنی ہو تو پھر یقیناً تم قانون کی نگاہوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ تم مری نہیں بلکہ زندہ ہو۔"

"تم کس قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی بات کر رہے ہو؟" وہ مسکرا کر بے پروائی سے بولی۔ "قانون تو پہلے ہی اندھا ہوتا ہے۔ دھول جھونکنے سے اسے کیا نقصان ہوگا۔ رہی تمہاری دوسری بات کہ میں زندہ ہوں تو اس بات کو اپنے من اور دھیان دونوں سے کھرچ کر نکال دو اس لیے کہ میں ایک بھٹکتی ہوئی آتما ہوں جس نے کومل ورما کا روپ دھار رکھا ہے۔"

"لیکن تمہاری ماں کا بیان ہے کہ۔۔۔۔"

"اس بیان کے چکر میں اپنا سمے مت برباد کرو۔" اس نے سراج کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر تم قانون کی رکشا (حفاظت) کرتے ہو تو اپنے حمر شہباز خان سے پوچھو کہ مجھے کس جرم میں اغوا کرایا گیا ہے؟"

"تمہاری اصلیت جاننے کے لیے۔" میرے بجائے سراج نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "اور اب تم قانون کے قبضے میں آ چکی ہو تو ہم اس بات کی تصدیق بہ آسانی کر سکیں گے کہ کومل ورما اور تمہارے ہم شکل ہونے کا اصل چکر کیا ہے اور تمہاری

aazzamm@yahoo.com

ماں نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔"

"اچھا۔" وہ عجیب پراسرار انداز میں مسکرائی۔ "کیا تمہیں امید ہے کہ تم اپنے ارادے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"اسے ہتھکڑی پہنا دو۔" سراج نے اپنے ایک ماتحت سے جس کی وردی پر دو ستارے چمک رہے تھے تحکمانہ انداز میں کہا پھر جو کچھ ہوا اسے دیکھ کر سب ہی حیرت زدہ رہ گئے۔ جن رسیوں سے موہنی یا کومل ورما کو جکڑ کر رکھا گیا تھا وہ کچے دھاگے کے مانند تڑاتڑ کر ٹوٹ گئیں۔ وہ مسکراتی ہوئی کرسی سے اٹھی اور سراج کے قریب جا کر بولی۔

"اگر لوہے کے کنگن میرے ہاتھ میں پہنانے ہیں تو پھر میں اسے تمہارے ہاتھوں سے پہننا پسند کروں گی۔"

سراج جس کی آنکھوں سے حیرت اور تعجب کے ملے جلے تاثرات عیاں تھے۔ اس نے بعجلت تمام سب انسپکٹر کے ہاتھ سے ہتھکڑی لے کر اسے موہنی کے ہاتھوں میں ڈال کر بند کر دیا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ سراج نے وہ حرکت کسی معمول جیسے انداز میں کی تھی۔

"اب تم مجھے کہاں لے چلو گے؟" اس نے سراج کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"سرکاری مہمان خانے میں۔" سراج سنبھل کر بولا لیکن اس کے چہرے پر اس وقت بھی خوف کے سائے لرز رہے تھے۔

"کیا یہیں کچھ لے دے کر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔" وہ عجیب انداز میں مسکرا کر بولی۔

"شٹ اپ۔" سراج نے گرج کر کہا۔

"زیادہ اونچا بولنے کی کوشش مت کرو مسٹر سراج۔" یکلخت اس کا لہجہ بڑا سرد اور سفاک ہو گیا۔ "جب تمہارے حریف شہباز خان نے ماسٹر ٹونی کو دور لے جا کر اس سے باتیں کی تھیں میں نے اپنی شکتی کے زور سے ان باتوں کو سن لیا تھا۔ مجھے بھی تمہارے یہاں پہنچنے کا اتنا ہی انتظار تھا جتنا مسٹر شہباز کو۔ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" اس نے آخری جملہ پھر طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" سراج کے لب و لہجے میں اب وہ گھن گرج نہیں تھی جو شٹ اپ کہتے وقت پیدا ہوئی تھی۔

"کومل ورما سے دور ہی رہو۔ موہنی کا چکر من سے نکال دو اسی میں تمہاری مکتی ہے۔" اس کی آواز میں ایک طرح کی تنبیہہ تھی۔

"تم۔۔۔ مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"سوچ لو۔۔۔ ابھی سے تمہارے ہاتھ میں ہے اور اگر یہ سے نکل گیا تو پھر مجھے دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں ایک نئی بھینٹ اور چڑھانی پڑے گی۔ پر تو تمہیں چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ابھی تمہارے بھینٹ چڑھانے کا نمبر نہیں آیا۔"

"میں تمہاری یہ شرط مان سکتا ہوں۔" سراج نے تھوک نگلتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن ایک شرط پر۔ تمہیں مجھے یہ بتانا ہو گا کہ ان سب کھیل تماشوں میں تم کس حیثیت سے اپنا پارٹ ادا کر رہی ہو۔"

"جس کہانی میں سسپنس ہو اگر اس کا بھید پہلے کھل جائے تو پھر اس کے انت (آخر) کا سارا سواد جاتا رہتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"گھبراؤ نہیں۔ میری باتوں کا مطلب بہت جلد تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔" اس نے ٹونی کی سمت ایک نظر ڈال کر سراج سے کہا پھر چکرا کر زمین پر گر پڑی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ناقابل یقین حد تک حیرت انگیز تھا۔

زمین پر گرتے ہی اس کے بدن سے آگ کے خوفناک شعلے بلند ہونے لگے۔ ان شعلوں کی لپیٹ میں ہونے کے باوجود اس کے بھیانک قہقہوں کی آوازیں پورے گودام میں صدائے بازگشت بن کر گونج رہی تھیں پھر آگ سرد پڑ گئی۔ وہاں راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں تھا جس کے درمیان لوہے کی مضبوط ہتھکڑی پڑی تھی۔ ہم سب جیسے گنگ ہو کر رہ گئے تھے پھر اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور راکھ کو اپنے ساتھ اڑا کر لے گیا۔

سراج کچھ ایسے ہی انداز میں ایک کرسی پر بیٹھا جیسے اگر وہ کچھ دیر اور کھڑا رہتا تو چکرا کر گر بھی سکتا تھا۔ اس کے دونوں ماتحتوں کے چہروں پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ماسٹر ٹونی جو بڑے مضبوط اعصاب کا مالک تھا اس وقت وہ بھی اپنی جگہ کھڑا بید مجنوں کے درخت کی طرح کانپ رہا تھا۔ میری کیفیت بھی دوسروں سے کم نہیں تھی۔

خاصی دیر تک ہر شخص گم صم اور تصویر حیرت بنا رہا پھر سراج ہی نے گفتگو کی پہل کی۔

"مسٹر شہباز۔۔۔ آپ بھی ایک پولیس آفیسر رہ چکے ہیں کیا قانون ایسے شعبدوں کا کوئی حل نکال سکتا ہے؟"

"مسٹر سراج۔" میں نے سراج کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کومل ورما کے گھر ہوتے ہوئے یہاں پہنچے تھے؟"

"ہاں۔ اس وقت وہ گھر پر ہی تھی اور بڑی گرم جوشی اور ملنساری کے انداز میں اس نے ہمارا استقبال کیا تھا۔"

"آپ نے اس سے موہنی کے بارے میں بھی کوئی سوال کیا تھا؟"

"کیا تھا۔" سراج نے کہا۔ "لیکن اس نے میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بڑی خوبصورتی سے بات ٹال گئی تھی۔"

"ایک حیرت انگیز بات اور بھی ہے باس۔" ماسٹر ٹونی سنجیدگی سے بولا۔ "اس کی وہ گاڑی بھی گھر پر ہی کھڑی تھی جسے میرے دوسرے ساتھی نے ہوا نکلوانے کے بعد بے شکر گنج کے باہر چھوڑا تھا۔"

"کیا آپ مجھے حالات کی تفصیل بتانا پسند کریں گے؟" سراج نے سرد سی آواز میں مجھ سے کہا اور جب میں نے پوری تفصیل دہرائی اور دوبارہ بے شکر گنج کے نمبروں پر گفتگو کرنے کا ذکر کیا تو سراج کی بے چینی اور حیرت دوچند ہو گئی۔

"آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے۔" سراج نے بڑی بے بسی سے مجھ سے سوال کیا۔ "کیا ان تمام باتوں کا جو اس وقت رونما ہوئی ہیں ضابطے کے تحت تحریر میں لانا پسند کرتے۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"پھر۔۔۔ میں کیا کروں؟" اس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"سوائے صبر کے اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے؟" میں نے کہا۔ "جو کچھ ہوا ہے اسے صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں ورنہ اوپر والے بڑے افسران بھی آپ کے لیے پریشانی کا سبب بن سکتے ہیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں لیکن نادر خان صاحب کی موت کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ راکھ بن کر غائب ہو جانے سے پہلے وہ یہ بھی کہہ گئی ہے کہ اس بدبخت کو اپنے دیوتاؤں کے قدموں میں دو چار قربانیاں اور پیش کرنی ہیں۔"

"اس نے غلط نہیں کہا۔" میں ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔ "میں آپ سے پہلے بھی اس اندیشے کا اظہار کر چکا ہوں کہ والد صاحب کے بعد اب گندی اور ماورائی قوتیں میری ماں کو اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کریں گی اور اگر ایسا ہوا تو پھر شاید۔۔۔"

میں نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔ اپنے ہونٹ کو بڑی سختی سے دانتوں تلے بھینچ لیا۔ قانون کے محافظوں کی موجودگی میں اگر میں یہ کہہ جاتا کہ ماں کے انتقال (خدانخواستہ) کے بعد میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک اٹھے گا اور انتقام کی آگ مجھے انتہا کی جوابی کارروائی پر مجبور کر دے گی۔ میں بھی اپنے دشمنوں کو چن چن کر ماروں گا جس میں بے گناہ بھی لپیٹ میں آ سکتے تھے تو سراج اور اس کے دونوں ماتحت میری بات کے گواہ بن جاتے۔ میں نے بڑے ضبط سے کام لیا تھا ورنہ اس بات کا خطرہ مجھے پہلے بھی تھا کہ جو قوتیں میرے بے گناہ باپ کا سایہ میرے سر سے اٹھا چکی تھیں وہ مجھے ماں کی ممتا چھین لینے سے بھی دریغ نہیں کریں گی۔ کمال پاشا اور سعید ریٹائل بزرگ نے بھی کچھ ایسی باتیں مجھے اشارے کنایوں میں بتانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے علاوہ مجھے پہلے ہی اس بات کی دھمکی بھی مل چکی تھی کہ وہ ناپاک قوتیں مجھے ہیولہ کر دینے کی در پے تھیں۔ شاید وہ زریں لال کی موت کا انتقام لینے کی خاطر میرے خلاف برسرپیکار ہو گئی تھیں لیکن حیرت صرف اس بات کی تھی۔ ابھی تک ان قوتوں نے خود کو اندھیرے میں رکھا ہوا تھا۔ صرف کومل ورما کی واحد ذات ہراول دستے میں نظر آ رہی تھی لیکن میں سمجھ رہا تھا وہ بذات خود کچھ بھی نہیں۔ اسے پراسرار قوتیں محض ایک کھلونے کی طرح استعمال کر رہی تھیں۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر وہی قوتیں اور ان کے مکروہ چہرے ابھرنے لگے جن کا ذکر میں اپنی داستان حیات میں کر آیا ہوں۔

دو روز بعد سراج مجھے لے کر بے شکر گنج پہنچ گیا۔ میں نے اسے منع کرنے کی کوشش بھی کی۔ میرا خیال تھا کہ پانڈے کا پیش آنے والے واقعات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے جبکہ سراج کا کہنا تھا کہ خانہ پری کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ وہ پولیس کے نکتہ نگاہ سے اس بات کو جاننے کے لیے مضطرب تھا کہ اگر پانڈے ان معاملات میں ملوث ہے تو کسی حد تک وہ کومل ورما کے بارے میں بھی ایسی معلومات ضرور رکھتا ہو گا جس کا ذکر اس نے پہلے بھی نہیں کیا تھا بہرحال میں سراج کے بے حد اصرار پر اس کے ساتھ جانے پر مجبور ہو گیا۔ اس بہانے میں کومل ورما کو ایک بار پھر قریب سے دیکھنے کا خواہشمند تھا۔

پانڈے اسی روز دفتر آیا تھا۔ ہم نے اسے اپنی آمد کی اطلاع دلوائی تو وہ خود ہی دروازے پر ہمارے استقبال کے لیے آ گیا۔ اس نے ہم دونوں کے ساتھ بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ سراج کے کہنے پر کافی منگوائی گئی جسے ایک ملازم کومل ورما کے ساتھ لے اندر داخل ہوا تھا۔ میں نے کومل ورما کو غور سے دیکھا وہ ہو بہو اس لڑکی سے ملتی جلتی تھی جسے ماسٹر ٹونی نے میرے کہنے پر اغوا کیا تھا۔ کومل ورما کے چہرے پر بلا کی شگفتگی اور تازگی تھی۔ بڑی بھولی اور بہت معصوم نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسی کوئی علامت موجود نہیں تھی جس کی بنا پر اس کے بارے میں یہ تصور بھی کیا جا سکتا کہ اسے اصل معاملات سے دور کا بھی کوئی تعلق ہو اور اگر واقعی خود کو دیدہ و دانستہ معصوم ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی تو یقیناً ایک کامیاب اداکارہ کہی جا سکتی تھی۔

کافی خود کومل ورما نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر تیار کی تھی پھر وہ پیالیاں ہماری سمت بڑھانے کے بعد جانے کی خاطر اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ سراج نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"آپ کچھ دیر کے لیے تشریف رکھیں مجھے آپ سے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"فرمائیے۔" وہ دوبارہ اپنی جگہ پر سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"کیا آپ کی کوئی جڑواں بہن بھی تھی جو چھت سے گر کر ہلاک ہو گئی تھی۔"

"جی نہیں۔"

"کیا آپ موہنی نام کی کسی ایسی لڑکی سے واقف ہیں جس کی شکل آپ سے حیرت انگیز طور پر ملتی ہے۔"

"جی نہیں۔" کومل ورما نے نہایت سادگی سے جواب دیا۔ "میں موہنی نام کی کسی لڑکی سے واقف نہیں ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"ذرا سوچ کر بتائیے۔ کیا آپ نے کبھی ایسا محسوس کیا ہے کہ آپ کوئی ایسا کام کر رہی ہیں، جس میں آپ کی اپنی مرضی کو کوئی دخل نہ ہو۔"

"میں آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"دو روز پہلے آپ شاید چھٹی پر تھیں؟" سراج نے اگلا سوال کیا۔

"جی ہاں۔"

"چھٹی لینے کی کوئی خاص وجہ؟"

"چھٹی کبھی آرام کرنے یا کسی ذاتی کام کے لیے ہی لی جا سکتی ہے۔" وہ ایک مخصوص مگر دلفریب انداز میں مسکرا کر بولی۔ "لیکن میں نے پرسوں ماما جی کے جنم دن کے کارن چھٹی لی تھی۔ کیوں؟ کیا آپ مجھے کسی قانون کے تحت آپ سے پرمیشن لے کر چھٹی کرنی ہو گی۔"

"جی نہیں۔" سراج نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

کچھ دیر بعد جب وہ کمرے سے چلی گئی تو پانڈے نے براہ راست سراج کو مخاطب کیا۔

"میرا خیال تھا کہ آپ لوگ یہاں صرف مجھ سے میری خیریت دریافت کرنے آئے ہوں گے۔"

"اصل وجہ یہی تھی مسٹر پانڈے لیکن میں نے سوچا کہ اسی بہانے آپ کی لیڈی سیکرٹری سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں۔"

"ایک بات پوچھوں مسٹر سراج؟"

"فرمائیے۔"

"کیا آپ میری سیکرٹری پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہیں؟" پانڈے نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"حالات ہی کچھ ایسے ہیں کہ اگر میری جگہ آپ ہوتے تو شاید مجھ سے زیادہ پریشان ہو جاتے۔" سراج نے سوہنی کے بارے میں مختصر تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"آئی سی۔" پانڈے نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے تو یہ کوئی پراسرار فلمی کہانی جیسی باتیں لگتی ہیں۔"

"حالانکہ اس کہانی کا ایک کردار آپ خود ہیں۔"

"کیا مطلب؟" پانڈے نے چونکتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"کیئر مسٹر پانڈے۔" سراج نے بے تکلفی سے کہا۔ "کیا یہ درست نہیں ہے کہ کومل ورما کے آنے سے پہلے آپ کی کمپنی خسارے میں جا رہی تھی جبکہ اب آپ کا نام ہر جگہ جانا پہچانا جاتا ہے۔"

"ہاں میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا۔" پانڈے نے کہا۔ "اس کے قدم ہماری کمپنی کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوئے ہیں۔"

"اسی لیے شاید آپ نے اس [illegible] کو خوش کرنے کے لیے اپنی اسپورٹس کار بھی بطور تحفہ دے دی تھی۔"

"ہاں۔ یہ بھی درست ہے۔" پانڈے نے ایک بار پھر اقرار کیا۔ "اس کے قدم ہماری ساکھ بنانے میں بڑے ہی بھاگوان ثابت ہوئے ہیں۔"

"ضرور بتائیے پانڈے جی آپ کی طبیعت کیسی ہے۔" میں نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"بھگوان کی دیا ہے۔ اسی کی کرپا سے بچ گیا ورنہ اب تک تو میری چتا کی راکھ بھی دریا میں بہائی جا چکی ہوتی۔"

"خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ابھی تو آپ کو میرے لیے بھی زندہ رہنا ہو گا۔"

"ضرور۔ ضرور۔ اگر میں آپ کی کوئی سیوا کر سکا تو میری بڑی خوش قسمتی ہو گی۔"

"آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔ اس لیے خدمت تو مجھے آپ کی کرنی چاہیے۔ میں تو صرف اپنے کاروبار کے اچھے برے کی خاطر آپ سے مشورہ حاصل کر سکتا ہوں۔"

"میں اس کے لیے بھی ہر وقت حاضر ہوں۔"

کچھ دیر بعد میں اور سراج پانڈے سے اجازت لے کر واپس ہونے کے ارادے سے اٹھ گئے۔

"میرا خیال پہلے بھی یہی تھا کہ پانڈے کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔" میں نے سراج سے کہا۔

"لیکن میرا نظریہ کچھ اور ہی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"پانڈے اور کومل ورما کے درمیان کوئی نہ کوئی تعلق ایسا ضرور ہے جو ابھی تک ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے۔"

"کوئی خاص وجہ؟"

"اسپورٹس کار ہی کیوں؟" سراج نے بال کی کھال نکالتے ہوئے کہا۔ "پانڈے اگر اس لڑکی سے متاثر ہو گیا تھا یا دولت کی کمی محسوس کر رہا تھا تو اس کی تنخواہ یا عہدے میں بھی خاطر خواہ اضافہ کر سکتا تھا۔ اسپورٹس کار جیسی قیمتی چیز کا تحفے میں دے دینا کوئی نہ کوئی معنی ضرور رکھتا ہے۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی اس کی وجہ معلوم کرنے کی خاطر ابھی کچھ اور بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی۔"

"ایز یو ول۔" (جیسی آپ کی مرضی) میں نے شانے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

تمام راستے اسپورٹس کار والی سراج کی بات میرے ذہن میں رہ رہ کر ابھرتی رہی۔ پھر جب اس نے مجھے میرے دفتر کے سامنے پہنچ کر خدا حافظ کہا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا لیکن یہ اطمینان زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکا۔ دفتر پہنچتے ہی مجھے لیڈی ملارنس کی کال ریسیو ہوئی تھی۔

"اب آپ کیسی ہیں؟" میں نے اردو میں ہی ایک عام سا سوال کیا۔

"میں خیریت سے ہوں لیکن تمہاری خیریت سے زیادہ مطمئن نہیں ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں تمہیں فون پر نہیں سمجھا سکتی۔" لیڈی ملارنس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میرا مشورہ مانو تو اپنی مدر (ماں) کو لے کر جتنی جلدی ممکن ہو لندن واپس آجاؤ۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "والد صاحب کے بعد اب کتنی توقعیں میری ماں کے لیے گھات لگائے بیٹھی ہوں گی۔"

"میں فی الحال کوئی پیش گوئی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" اس نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

"آپ جیسی پراسرار اور حیرت انگیز قوتوں کی مالک اور مجبوری۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بات مجھے عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔"

"فی الحال میں تمہیں ایک ہی مشورہ دے سکتی ہوں میرے عزیز۔" لیڈی ملارنس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "تم اور مسٹر سراج دونوں کومل ورما یا سوہنی سے دور ہی رہو تو بہتر ہے۔ دوسری شکل میں تمہیں بھاری نقصانات برداشت کرنے ہوں گے۔ اس وقت بھی تم دونوں نے پانڈے کے دفتر جا کر اور اس کی سیکرٹری کو کریدنے کی جو کوشش کی وہ بھی نامناسب تھی۔"

"آئی سی۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ "گویا آپ کو ہماری ایک ایک منٹ کی خبریں مل رہی ہیں۔"

"ہاں۔ میں شاید تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ میرے لیے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ میں اپنی حیرت انگیز قوتوں سے جو مجھے گاڈ گفٹڈ (خدا کی طرف سے تحفہ میں ملی ہیں) ہیں خلا کے اس پار بھی سب کچھ دیکھ اور سن سکتی ہوں لیکن تمہارے دل کے اندر نہیں جھانک سکتی۔"

"میں کومل ورما یا سوہنی کے چکر میں نہیں پڑا میڈم۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "پہل ان ہی لوگوں نے کی تھی۔"

"اس کے باوجود میں تمہیں خاص طور پر ان سے دور رہنے کا مشورہ دوں گی۔"

"دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ بھی انہیں قوتوں کو فیور (Favour) کر رہی ہیں جو میرے خلاف ہیں۔"

"اس کا ایک مطلب اور بھی ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم شاید حالات کے تحت میری ذات پر بھی شبہ کر رہے ہو؟"

"میری جگہ آپ ہوتیں تو آپ کیا کرتیں؟" میں نے سپاٹ آواز میں دریافت کیا۔

"مے گاڈ ہیلپ یو مائی پور چائلڈ۔ (میرے غریب بچے خدا تمہاری مدد کرے) اس کے علاوہ میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میں نے تمہیں ایک نیک مشورہ دیا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار کی بات ہے۔" اس کے ساتھ ہی دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ غالباً لیڈی ملارنس نے میرے آخری جملوں کا برا منایا تھا۔

"ابھی میں لیڈی ملارنس کے بارے میں کوئی آخری نتیجہ اخذ کرنے کی خاطر اس کی شخصیت کو مختلف زاویوں سے پرکھنے میں مشغول تھا کہ میری ڈائرکٹ لائن والے فون کی گھنٹی نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ میں نے صرف اپنے بہت ہی قریبی دوستوں اور خاص واقف کاروں کو وہ نمبر دے رکھا تھا اس لیے میں یہی سمجھا کہ دوسری جانب سے میرا کوئی قریبی جاننے والا ہو گا ورنہ عام طور پر میری کالیں دوسرے نمبروں پر عارفہ ریسیو کرتی تھی۔ بہرحال میں نے ریسیور اٹھا کر "ہیلو" کہا تو دوسری جانب سے ابھرنے والی آواز کومل ورما یا سوہنی کی مانوس آواز سن کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"شہباز خان۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ کیا تم شرافت سے باز نہیں آؤ گے۔" اس کے لہجے میں دھمکی تھی۔

"میرا خیال ہے تم کسی وہم میں مبتلا ہو گئی ہو ورنہ۔۔۔"

"نہیں۔" اس نے تیزی سے کہا۔ "تم مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرو۔ پہلے تم نے مجھے ماسٹر ٹونی کے ذریعے اغوا کرایا اور آج تم اپنے حریف کے ساتھ بے خطر پانڈے سے بھی ملے ہو۔"

"اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے بے پروائی سے پوچھا۔

"اگر بچنا چاہتے ہو تو جتنی ترنت (جلدی) ممکن ہو اپنی ماتا کو لے کر اس دیش سے دور چلے جاؤ۔ دوسری شکل میں تم کو بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

میں اس جواب پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ صرف چند لمحے قبل کم و بیش یہی مشورہ مجھے لیڈی ملارنس نے فون پر دیا تھا۔

"تمہارا اشارہ لندن جانے کی طرف ہے۔" میں نے اسے آزمانے کی خاطر پوچھا۔

"تمہارے لیے لندن ہی زیادہ مناسب جگہ ہو گی اس لیے کہ وہاں ایک انگریز کنیا کی شکتی بھی تمہاری سہائتا کر سکتی ہے۔"

"کہیں وہ انگریز کنیا تم خود ہی تو نہیں ہو۔" میں نے تیزی سے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

حسن بن صباح

★ شہنشاہ حشیش اور ابلیس وقت

جو چھتیس (36) سال تک قلعہ الموت میں ایک نظر فریب جنت ارضی بنا کر بیٹھا رہا اور مسلمانوں کے بڑے بڑے جید علماء کرام اور محدثین، مفسرین، مفکرین اور ارکان سلطنت کے خون سے ہولی کھیلتا رہا---- مسلمان والیانِ ریاست اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے------

اسی ساحر اور مرتد کی رنگین اور خوفناک داستان
الماس ایم-اے کے سحر انگیز قلم سے-----

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار-لاہور 2 — قیمت-/125 روپے

Scanned
By
Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

"مجھے وشواس تھا کہ تم میرے اوپر اس کا دوسرا روپ ہونے کے سلسلے میں ضرور وچار کرو گے جس نے ابھی تم سے فون پر بات کی تھی۔"

"کیا تم لیڈی سلارنس سے واقف ہو؟" میں نے ہچکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"سے بیاد مت کرو شہباز خان۔ میں تمہیں صرف دو دن کی مہلت اور دے سکتی ہوں اس کے بعد جو بھی ہو گا اس کی ذمے داری تمہارے اوپر ہو گی۔"

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں پانڈے جی کے لیے میدان خالی چھوڑ دوں؟"

"ہوں میں شاید پہلی بات تم نے ایک عقلمندی کی بات کی ہے۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

"کیا تم نرنجن لال کا انتقام لینا چاہتی ہو۔ کیوں؟"

"چلو یہی سمجھ لو۔"

"ایک بات میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔" میں نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تمہاری گندی آتما نرنجن لال کا بدلہ لینا چاہتی ہے تو تم براہ راست مجھے اپنی مہان شکتی کا نشانہ بنانے سے کیوں کترا رہی ہو؟"

"کیول وہ چھایا ہے جو تمہاری سہائتا کر رہی ہے۔ پرنتو گھبراؤ مت۔ اس چھایا پر قابو پالینے کے بعد پہلا نمبر تمہارا ہی ہو گا۔"

"تم مہان شکتی کے مالک ہو تو بے گناہوں کے خون کیوں بہا رہی ہو۔"

"تمہارا گھمنڈی سر اپنے چرنوں میں جھکانے کے کارن۔" وہ حقارت سے بولی۔

"میرا خیال ہے تم جو کچھ کر رہی ہو اسے کمینگی کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔" میں نے بھی نفرت کا اظہار کیا۔

"شہباز خان۔ تم ابھی بالک ہو۔ زیادہ اونچے سروں میں بات نہ کیا کرو۔"

"اور میں کہہ رہا ہوں کہ تم اپنی اوقات سے زیادہ بڑھ چڑھ کر بول رہی ہو۔" مجھے غصہ آ گیا۔ "جو لوگ بے قصور ہیں کیا انہیں کوئی نقصان پہنچا کر تمہاری شکتی کو زیب دیتا ہے۔"

"بالک مت بنو۔ دوشی اور نردوشی کے چکروں میں مت پڑو۔ جیون پیارا ہے تو ہمارا کہا مان لو۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی۔ "کنڈل وناسے الگ رہو اور یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ ورنہ۔۔۔"

"ٹی ٹی۔" میں نے مسخرانہ آواز میں جواب دیا۔ "کیا تمہاری پلید آتما نے کومل وناسے کے سندر شریر کو اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے۔ کیا تم اتنی خوف زدہ ہو کہ کھل کر میرے سامنے آنے سے ڈرتی ہو۔" میں نے اسے اکسا کر اس کا بھید معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہی۔

"میرے ہزاروں روپ ہیں شہباز خان۔ تم کون کون سے روپ دیکھو گے؟"

"کوئی سندر اور کومل جیسے تازہ پھول کے روپ میں آ کر تمہیں دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو سکیں۔" میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم آسانی سے سیدھا راستہ اختیار نہیں کرو گے۔" اس نے مجھے چیلنج کیا۔ "سوچ لو۔ تمہاری وجہ سے دوسروں کو کشٹ اٹھانا پڑے گا۔ کیا تم اسے پسند کرو گے؟"

"ایک بات میری بھی سن لو۔" میں نے کرخت لہجے میں جواب دیا۔ "میں اب تک خاموش تھا لیکن شاید اب چپ نہ رہ سکوں مجھے بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینا آتا ہے۔"

"کیا تمہیں ماسٹر نوفی پر بھی کوئی دیا نہیں آئے گی جس کو تمہاری وجہ سے ایک ہاتھ کھونا پڑا تھا۔" اس کا جواب معنی خیز تھا۔

"کیا مطلب؟" میں نے تیز آواز میں دریافت کیا۔

"اتنی جلدی بوکھلا گئے۔ چنتا مت کرو۔ تمہیں کچھ دیر بعد ہی ایک اطلاع ملے گی جسے سن کر تم ہاتھ ملنے کے سوا کچھ اور نہیں کر سکو گے۔" اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا پھر فون بند کر دیا گیا۔

میں نے ابھی ریسیور رکھا نہیں تھا کہ انٹرکام کا بزر جاگ اٹھا۔

"یس" میں نے ریسیور اٹھا کر پوچھا۔

"سر" عارف نے کچھ گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ "آپ کے لیے گوداموں کے چیف فورمین دانش کی کال ہے۔ وہ بہت بوکھلایا ہوا لگ رہا ہے۔"

"جلدی ملاؤ۔" میں نے تیزی سے کہا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

"سر۔ میں گودام سے دانش بول رہا ہوں۔" رابطہ قائم ہونے کے بعد دوسری جانب سے دانش کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ "ہم لوگ ماسٹر نوفی کو لے کر ریڈ کراس ہسپتال جا رہے ہیں۔ وہ ایک حادثے سے دوچار ہو گیا ہے۔"

"حادثہ!" میں چونکا۔ "تفصیل کیا ہے؟"

"سوری سر۔" دانش نے تیزی سے کہا۔ "میں نے اس وقت صرف آپ کو اطلاع دینے کی خاطر فون کیا تھا۔ تفصیل سنانے کا وقت نہیں۔ خون زیادہ بہہ جانے کے سبب اگر فوری طبی امداد نہ پہنچائی گئی تو جان جانے کا خطرہ ہے۔ آپ ریڈ کراس ہسپتال پہنچیں۔"

دوسری جانب سے فون کی لائن ڈیڈ ہو گئی۔ دانش کے پاس شاید تفصیل سنانے کا وقت نہیں تھا۔ اس کی آواز سے ہی پتا

aazzamm@yahoo.com

چل رہا تھا کہ وہ بہت جلدی میں ہے۔ "ماسٹر ٹونی کی حالت خطرے میں تھی۔ اسے فوری طبی امداد کی ضرورت تھی ورنہ اس کی جان خطرے میں تھی۔" دانش کے ان الفاظ کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک لمحہ پہلے ملنے والی کال کے آخری جملے گونج اٹھے۔ "چنتا مت کرو تمہیں کچھ دیر بعد ہی ایک اطلاع ملے گی جسے سن کر تم ہاتھ ملنے کے سوا کچھ اور نہ کر سکو گے۔"

میں تیزی سے اٹھ کر بیرونی دروازے کی جانب لپکا اور واسلی کو ساتھ لے کر ریڈ کراس ہسپتال کی جانب گاڑی دوڑانے لگا۔ میں اس وقت جس برق رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا اس سے واسلی کو بھی حالات کی سنگینی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ میری تیز رفتاری کسی حادثے کا سبب بھی بن سکتی تھی لیکن اس وقت مجھے صرف ماسٹر ٹونی کی جان کی فکر تھی۔ وہ خطرے میں تھا۔ میں نے اسی کے ذریعے کومل ورما یا موہنی کو اغوا کرایا تھا۔ اس لیے شاید نادیدہ قوتوں نے اس کو سزا دی تھی۔

ریڈ کراس ہسپتال کے اندر پہنچتے ہی میں نے گاڑی سے اتر کر کار کی چابی واسلی کی جانب اچھالی تاکہ وہ اسے پارکنگ لاٹ تک لے جائے اور خود تقریباً دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔ آپریشن تھیٹر کے باہر مجھے اپنے گوداموں میں کام کرنے والے بہت سارے جانے پہچانے چہرے نظر آ رہے تھے جن میں دانش بھی شامل تھا۔ میں اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا ایک طرف لے گیا۔

"کیا ہوا ماسٹر ٹونی کو۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"وہ آرا مشین کا سوئچ آن کرنے کے بعد اس کے سامنے لیٹ گیا تھا۔" دانش نے مجھے تفصیل بتائی۔ "اتفاق ہی سمجھیں کہ میں اس وقت راؤنڈ لیتا ہوا گودام نمبر چار میں داخل ہوا تھا۔ آرا مشین کی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا پھر میں نے جو کچھ دیکھا وہ ناقابل یقین ہی تھا۔ ماسٹر ٹونی بڑے اطمینان سے چت لیٹا تھا۔ میں نے لپک کر مشین کا سوئچ تک کیا لیکن اتنی دیر میں اس کی سیدھی ران جو آرے کے کاٹنے سے تین جگہ سے تو میرے کے قریب کٹ چکی تھی۔ مجھے ایک منٹ کی بھی دیر ہو جاتی تو شاید ـــــ" دانش اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔

"ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں۔"

"وہ اسے یہاں پہنچتے ہی آپریشن تھیٹر میں لے گئے ہیں۔ بڑا ڈاکٹر اور ایک سرجن بھی اندر موجود ہے۔" دانش نے بدستور رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ماسٹر ٹونی کو خون کی ضرورت ہوگی۔" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"ہم تین بوتل خون دے چکے ہیں۔ ضرورت پڑی تو اور بھی دیں گے لیکن۔"

"لیکن کیا؟" میری حالت غیر ہونے لگی۔

"آپ شاید میری بات پر یقین نہیں کریں گے سر۔" ماسٹر ٹونی اس قدر آرام سے آنکھیں کھولے لیٹا تھا جیسے اپنے آرام دہ بستر پر لیٹا ہوا ہو۔ اس کی دونوں آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ اس نے ران پر آرا چلتے وقت بھی کسی قسم کا شور و غل نہیں کیا تھا۔"

"مشین آپریٹر اس وقت کہاں مر گیا تھا۔" میں نے جھلا کر پوچھا۔

"اس کا بیان ہے کہ خود ماسٹر ٹونی نے اسے ایک ضروری کام سے باہر بھیج دیا تھا۔" دانش نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ "سر اگر مجھے ذرا دیر اور ہو جاتی تو شاید ٹونی کا جسم دو حصوں میں کٹ چکا ہوتا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں تیز آندھی کے گرم جھکڑ چل رہے تھے۔ دانش کے بیان کے بعد سمجھ رہا تھا کہ ماسٹر ٹونی نے وہ حرکت کس کے اشارے پر کی ہوگی اور اس نے شاید فون پر ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس وقت میں پچھتانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دولت کی ریل پیل دنیا کی ہر شے کو بہ آسانی خرید سکتی ہے لیکن موت سے کوئی سودے بازی نہیں کی جا سکتی۔ دانش کا بیان میرے ذاتی بچاؤ کے لیے بہت کافی تھا لیکن میں دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا۔ میں نے یقیناً ماسٹر ٹونی کے ذریعے کومل ورما یا موہنی کو اغوا کرانے کی حماقت کی تھی۔ طاغوتی قوتیں ایک بار پہلے بھی اس غریب کو میری وجہ سے ایک ہاتھ سے محروم کر چکی تھیں۔ اس بار اسے چیر ڈالنے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ یقینی طور پر ان ہی نادیدہ اور گندی طاقتوں نے ماسٹر ٹونی کے ذہن کو ماؤف کر دیا ہوگا ورنہ وہ ہوش مندی کی کیفیت میں ایسی حرکت کبھی نہ کرتا۔

میں آپریشن کے تھیٹر کے باہر دیوانوں کی طرح ٹہل رہا تھا اور اندر میرا ایک جاں نثار ساتھی موت اور زیست کی کشمکش سے دوچار تھا۔ باقی ورکروں کی نگاہیں آپریشن تھیٹر کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں جس کے دھندلے شیشے پر سرخ رنگ سے جلی حرفوں میں نو انٹری (NO ENTRY) درج تھا اور باہر ہسپتال کے دو باوردی ملازم بھی متعینات تھے تاکہ کوئی جذبات کا شکار ہو کر دیوانگی کی صورت میں اندر گھسنے کی جرأت نہ کر سکے۔ ایک گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا لیکن ابھی تک کوئی ایک بندہ بشر بھی باہر نہیں نکلا تھا جس سے اندر کا احوال دریافت کیا جا سکتا پھر میں نے اچانک سراج کو آتے دیکھا تو میرے اعصاب میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

"کیا ہوا مسٹر شہباز۔" سراج نے میرے قریب آ کر سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"آپ کو اس حادثے کی اطلاع کس طرح ہوئی۔" میں نے

سراج سے پوچھا۔ "کیا میرے کسی ورکر نے۔"

"نہیں۔" سراج نے جلدی سے کہا پھر ایک لمحے کی خاموشی کے بعد الجھے ہوئے انداز میں بولا۔ "اس بار بھی مجھے موہنی نے اس حادثے کی اطلاع دی تھی۔"

"آپ کو کس طرح اندازہ ہوا؟"

"میں ایک دو بار پہلے بھی اس کی آواز سن چکا ہوں اور پھر مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ اس روز موہنی کو آپ کے گودام تک پہنچانے والا بھی ماسٹر ٹونی ہی تھا۔ شاید اسی لیے اس غریب کو نشانہ بنانے کی دوسری کوشش کی گئی ہے۔"

"اسے اغوا کرانے کا پروگرام میں نے بنایا تھا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ "آپ چاہیں تو میرے خلاف اغوا اور تحویل بیجا میں رکھنے کا کیس بنا سکتے ہیں۔ میں اپنا تحریری بیان بھی دینے کو تیار ہوں۔"

"خود کو سنبھالیے مسٹر شہباز۔" سراج نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ "میں اس وقت یہاں حادثے کی چھان بین کرنے کی غرض سے نہیں آیا ہوں۔ آپ کی پریشانی کی وجہ سے آپ کا ہاتھ بٹانے آیا ہوں۔"

"جو کچھ ہو رہا ہے اس میں ہماری ہمدردیاں بھی ایک دوسرے کے لیے بے سود ہیں۔" میں نے تلخ آواز میں جواب دیا۔ "آپ نہ سہی لیکن متعلقہ تھانے کے افسران تو اس کی تفتیش بہرحال کریں گے۔"

"آپ اس سلسلے میں بالکل پریشان نہ ہوں۔" سراج نے کہا۔ "اسے ایک اتفاقیہ حادثے کا رنگ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے حادثات آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ متعلقہ تھانے کا ایس۔ ایچ۔ او۔ میرے نیچے رہ چکا ہے۔ میں اسے ہدایت کردوں گا کہ وہ بلاوجہ کیس کو الجھانے کی کوشش نہ کریں بلکہ ایک دو افراد کے بیان لے کر فائل کو داخل دفتر کر دے۔"

میں کوئی جواب دینا نہیں چاہتا تھا لیکن اسی وقت بڑا ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے باہر نکلا۔ میرے علاوہ سراج اور دانش بھی اس کی جانب تیزی سے لپکے تھے۔

"اوہ۔ آپ بھی یہاں موجود ہیں۔" ڈاکٹر نے سراج کو دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔ "مریض کی حالت چونکہ تشویشناک تھی اس لیے ایمرجنسی کی وجہ سے ہم متعلقہ تھانے کو۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" سراج نے جواب دیا۔ "اب میں خود ہی اس حادثے کی کارروائی مکمل کرلوں گا۔"

"مریض کی کیا حالت ہے۔" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"آپ میں سے مسٹر شہباز کون ہیں۔"

"میں ہوں۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے جواب دیا۔ وہاں چونکہ میرے ورکروں کی بھیڑ جمع ہونے لگی تھی اس لیے ڈاکٹر مجھے اور سراج کو ایک ملحقہ کمرے میں لے گیا جہاں آکسیجن کے سلنڈر رکھے ہوئے تھے۔

"مسٹر شہباز۔" ڈاکٹر نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "سرجن وحید کا خیال ہے کہ مریض کی زندگی بچانے کی خاطر اس کی سیدھی ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔"

"کیا۔ کیا کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"نہیں۔" ڈاکٹر کے لہجے سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔ "ہم نے دوسرے تمام امکانات پر غور کرنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"اگر مجبوری ہے تو پھر۔" میں اس سے آگے کچھ نہیں کہہ سکا۔ میری آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

"ہمت سے کام لیں مسٹر شہباز۔" ڈاکٹر نے میری کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "زخم بھر جانے کے بعد مصنوعی ٹانگ بھی لگائی جا سکتی ہے۔"

"آپ نہیں جانتے ڈاکٹر۔" میں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ "وہ مریض میرے لیے کتنا قیمتی ہے۔"

"وہ یقیناً بڑے مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔" ڈاکٹر نے قدرے حیرت سے کہا۔ "اس سے پہلے میں نے ایسا مریض کبھی نہیں دیکھا۔"

"کیا مطلب۔" سراج نے پوچھا۔

"اس حادثے کے بعد اسے بے ہوش ہو جانا چاہیے تھا لیکن وہ جس وقت یہاں لایا گیا اس وقت بھی پوری طرح ہوش میں تھا اور بے ہوش کرنے کے عمل سے گزرنے کے بعد اب بھی اس کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ اس نے اپنی مٹھی پوری شدت سے بھینچ رکھی ہے اور اپنی ساری توجہ چھت کی جانب مرکوز کر رکھی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس نے خود کو پتھر کا بنا رکھا ہو۔"

"کیا وہ بات چیت بھی کر رہا ہے۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ ہم نے اسے کئی مرتبہ مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے ہماری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔"

"ڈاکٹر کیا آپ اسی حالت میں اس کی ٹانگ ـــــ"

"مجبوری ہے مسٹر شہباز۔" ڈاکٹر نے تشویش کا اظہار کیا۔ "ہم نے ہر ممکن کوشش کرکے دیکھ لیا ہے۔ ضروری انجکشن کے علاوہ اور خون روکنے کی کوشش بھی جاری ہے لیکن اس کے باوجود اگر فوری طور پر اس کی ٹانگ کاٹی نہ گئی تو سیپٹک پورے جسم میں پھیل کر موت کا سبب بھی بن سکتا ہے۔"

"نہیں۔ اسے مرنا نہیں چاہیے ڈاکٹر۔" میں جذباتی ہو گیا۔ "اگر ٹانگ کاٹنے سے اس کی زندگی بچ سکتی ہے تو پھر آپ اس میں دیر نہ کریں۔"

ڈاکٹر دوبارہ آپریشن تھیٹر میں چلا گیا تو سراج نے سرگوشی کی۔

aazzamm@yahoo.com

"میرا خیال ہے کہ طاغوتی قوتوں نے ابھی تک اس کے اعصاب پر قبضہ جما رکھا ہے۔"
"حالانکہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"
"کیا مطلب۔"
"اگر انہیں ماسٹر ٹونی کو اذیت ناک کیفیت سے دوچار کرنا مقصود تھا تو پھر اس کے اعصاب کو پرسکون رکھنے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔"
میں اور سراج کمرے سے باہر آئے تو دانش لپک کر میرے قریب آگیا۔
"سر کوئی تشویش کی بات تو نہیں ہے۔" دانش مجسم سوال بن گیا تھا۔
"ماسٹر ٹونی کی سیدھی ٹانگ کاٹنی پڑے گی۔ اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے۔"
"اس کی زندگی تو بچ جائے گی نا سر۔"
"ہاں۔" میں نے بجھے ہوئے دل سے جواب دیا۔ "ڈاکٹروں کا یہی خیال ہے۔"
سراج مجھے ایک طرف لے گیا۔ اس وقت وہ خلاف توقع ایک بااصول پولیس افسر کے بجائے بڑی ہمدردی اور انسان دوستی کا ثبوت دے رہا تھا۔ لوگوں سے الگ تھلگ آنے کے بعد اس نے دبی زبان میں کہا۔
"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں بھی جوابی کارروائی کرنا پڑے گی۔"
"کیا پولیس فورس مافوق قوتوں کے خلاف بھی جدید اور خودکار اسلحے سے کوئی موثر کارروائی کر سکتی ہے؟"
"میرا خیال ہے کہ اب اس ناپاک قوت کو سامنے لانے کی خاطر صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔"
"وہ کیا۔"
"کومل ورما یا موہنی کی موت۔"
"کیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"
"ہاں، میری چھٹی حس بھی اب آپ کی طرح کام کرنے لگی ہے۔" سراج نے مسکرا کر جواب دیا۔
"میں بھی ان ہی لائنوں پر غور کر رہا ہوں۔" میں بے حد سنجیدہ تھا۔
"یہ کام آپ میرے اوپر چھوڑ دیں۔ میں آپ کو قانون ہاتھ میں لینے کا مشورہ نہیں دوں گا۔"
"قانون۔" میں نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا پھر قدم اٹھاتا اپنے ورکروں کے قریب چلا گیا جن کے چہرے ستے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہ سب ہی ماسٹر ٹونی سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ میں ان کا دکھ بانٹنے کی خاطر ان کو تسلی دینے لگا لیکن خود میری حالت بھی ان سے مختلف نہیں تھی۔ بظاہر میں ان سے باتیں کر رہا تھا لیکن میرے ذہن کے ہر گوشے میں بس ایک ہی لفظ گونج رہا تھا۔ "انتقام۔۔۔ انتقام۔۔۔ انتقام۔۔۔ انتقام۔"

کومل ورما یا موہنی کی ذات ہی تمام فساد کی جڑ تھی۔ حالات کی روشنی میں میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ موہنی کی بدروح نے کومل ورما کے جسم کو اپنے لیے انتخاب کر لیا تھا ورنہ کومل ورما بذات خود کسی جرم میں ملوث نہیں تھی۔ کوئی ناپاک قوت موہنی کے فرضی نام سے موت اور زندگی کا کھیل کھیل رہی تھی۔
اس وقت رات کے دس کا عمل تھا جب میں نے اپنی گاڑی جمیل پارک کے قریب روکی اور اتر کر پیدل ہی ٹہلتا ہوا اس مکان کی سمت چل پڑا جو کومل ورما کی قیام گاہ تھی۔ جمیل پارک سے اس کا فاصلہ کم از کم تین فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔ میں اس وقت بھی میک اپ میں تھا۔ میں نے اس وقت اپنی ذاتی گاڑی کے بجائے کرائے کی حاصل کردہ وہ گاڑی جو میں نے اشوک کے نام سے حاصل کی تھی استعمال کی تھی۔ میرے چہرے پر بھی اشوک ہی کا میک اپ تھا اس میک اپ میں میں نے ایک تھری اسٹار ہوٹل میں دو روز پہلے ایک کمرا حاصل کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے وہ گاڑی حاصل کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔
کومل ورما کی رہائش دو سو چالیس گز کے ایک سنگل اسٹوری بنگلے نما مکان میں تھی جو کارنر میں واقع تھا۔ میں نے پوری لائن کا ایک چکر لے کر اس بات کی تسلی کرلی تھی کہ اس وقت وہاں چوکیدار ٹائپ کا کوئی فرد اپنی ڈیوٹی کے فرائض انجام نہیں دے رہا تھا۔ چنانچہ میں نے مکان کے عقبی حصے سے مکان میں داخل ہونے کا منصوبہ بنایا۔ وہ تمام مکانات جو اس لائن میں واقع تھے ایک ہی سرکاری کمپنی نے بنائے تھے اس لیے عقبی دیوار اتنی بلند بھی نہیں تھی کہ مجھے اندر داخل ہونے میں کسی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ میں نے دیوار پھلانگنے سے قبل اس بات کی بھی تسلی کرلی تھی کہ کوئی مجھے دیکھ تو نہیں رہا پھر مطمئن ہو کر میں نے بغلی ہولسٹر سے دیسی ساخت کا وہ پستول نکال لیا جو لائسنس یافتہ نہیں تھا اور اس پر سائیلنسر بھی فٹ تھا۔
دبے قدموں چلتا ہوا میں ایک کمرے کے قریب پہنچ گیا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ دوسرے کمرے کے اندر مکمل اندھیرا تھا۔ میں نے کھڑکی سے جھانک کر اندر دیکھا تو میری رگوں میں دوڑتے خون کی گردش تیز ہوگئی۔ میرا ہونے والا شکار کومل ورما اس وقت نائٹ گاؤن میں ملبوس ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کسی انگریزی ناول کے مطالعے میں مصروف تھی۔ اس کا نائٹ گاؤن خاصا بے ترتیب ہو رہا تھا اس لیے اس کے جسم کے اکثر حصے عیاں نظر آ رہے تھے۔ وہ بلاشبہ جسمانی اعتبار سے بے حد حسین اور خوبصورت کہی جا سکتی تھی۔ جو شخص کمپنی جوائن کرنے سے پیش تر

یقیناً ایک کامیاب ماڈل رہی ہوگی۔ اس کے جسمانی نشیب و فراز کچھ اتنے ہی پرکشش تھے کہ اس حالت میں کسی ہوش مند کو بھی دیوانہ بنا سکتے تھے لیکن میں نے چونکہ اپنے ذہن میں پہلے ہی سے ایک خطرناک منصوبہ بنا رکھا تھا اس لیے اس کے جسم کی عریانیت بھی میرے دل میں رحم کا کوئی جذبہ پیدا نہ کر سکی۔ کھڑکی کے اندر گرل لگی ہوئی تھی اور پردہ بھی موجود تھا لیکن اس میں اتنی جھری موجود تھی جس کے ذریعے میں مکینوں کی نگاہوں میں آئے بغیر اندر کا جائزہ لے سکتا تھا۔ کومل ورما کے بیڈ روم کا فرنیچر اور دیگر تمام چیزیں بھی نہ صرف قیمتی اور دیدہ زیب تھیں بلکہ اس کے اعلیٰ ذوق کی ترجمان بھی تھیں مگر اس وقت میں کومل ورما کے جسم کو سراہنے یا اس کے اعلیٰ ذوق کی داد دینے کے لیے نہیں آیا تھا۔
ایک بار پھر میں نے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ میں پوری طرح کیل کانٹے سے لیس تھا۔ پولیس کی ملازمت نے مجھے ان ذرائع سے بھی باخبر کر دیا تھا جو ایسے موقعوں پر کسی مجرم کے لیے جرم کے ارتکاب میں آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ کسی طرح اس کے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ اندرونی جیب سے میں نے شیشہ کاٹنے والا قلم نکالا اور بڑی آہستگی سے شیشے پر چلانے لگا۔ کومل ورما اپنے مطالعے میں اس قدر منہمک تھی کہ اسے شیشے پر چلنے والے قلم کی آواز کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ وہ چہرے کا رخ دیوار کی جانب کیے مطالعے میں مصروف رہی۔ میں نے شیشے کے ایک حصے پر نشان لگانے کے بعد اس پر ہتھیلی جما کر اندر کی طرف پش کیا تو وہ "چٹ" کی ایک مدھم آواز سے ٹوٹ کر اندر بچھے ہوئے قالین پر گرا جس کی وجہ سے کوئی آواز نہیں پیدا ہوئی پھر میں نے اس پیدا ہونے والی خلا سے اپنا اگلا ہاتھ اندر ڈال کر تیزی سے پردے کو ایک جانب گھسیٹ دیا۔ پردہ کھنچنے کی آواز پر کومل ورما نے یکدم چونک کر کھڑکی کی جانب دیکھا پھر وہ پستول دیکھ کر اس کی خوبصورت آنکھوں میں خوف کے سائے پھیل گئے جس نے اس کا نشانہ لے رکھا تھا۔ قبل اس کے وہ کمرے سے فرار ہونے یا شور کرنے کا ارادہ کرتی میں نے تیزی سے مدھم مگر سفاک آواز میں کہا۔ اس وقت میری آواز بھی بدلی ہوئی تھی۔ میں نے گفتگو شروع کرنے سے پیشتر وہ چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا جو بے حد حساس واقع ہوا تھا۔ "خبردار اگر تم نے بھاگنے یا شور مچانے کی کوشش کی تو میں تمہارے اس حسین جسم کو پوری چھ عدد گولیوں سے بھون کر رکھ دوں گا۔ بچنا چاہتی ہو تو اپنی زبان بند ہی رکھنا۔"
"کک۔۔۔ کون۔۔۔ ہو تم؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ "کک۔۔۔ کیا۔۔۔ چاہتے ہو۔"
"انتقام۔" میں نے سرد آواز میں جواب دیا۔ "اپنے ذہن پر زور دے کر سوچنے کی کوشش کرو میں وہی ہوں جس کی پیاس کو تم نے اس وقت بجھانے سے انکار کر دیا تھا جب تم ماڈلنگ کیا کرتی تھیں۔"
"مگر۔۔۔ گردھاری۔" وہ اندر روشنی اور باہر اندھیرا ہونے کے سبب میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے اس کے ہونٹوں پر وہی نام ابھر آیا۔ جو اس کے ماضی سے منسلک تھا۔
"ٹھیک پہچانا تم نے۔" میں نے بدستور بدلی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "میں وہی گردھاری ہوں لیکن پہلے تمہاری بدھی (عقل) میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ تم میری منوکامناؤں کو پورا کرتیں۔ تم اپنی سندرتا کی وجہ سے بہت مغرور ہو گئی تھیں۔ تم نے یہ بھی بھلا دیا تھا کہ گردھاری اگر کسی کومل اور دہکتے ہوئے سندر شریر سے اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا تو پھر اسے دھرتی میں ملا دیتا ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ تمہاری چتا کی اگنی (آگ) دیکھ کر میرے بے کل من کو کچھ سکون اور شانتی مل جائے گی۔"
"مم۔۔۔ مجھے کوئی مت مارنا۔" اس نے سہمی ہوئی آواز سے کہا۔ "میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ اگر میں مر گئی تو میری ماں کا آخری سہارا بھی چھن جائے گا۔"
"اور اگر تم گردھاری سے دور رہ کر زندہ رہیں تو پھر گردھاری مر جائے گا۔" میں نے کسی اوباش آدمی کے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "سوچ لو کیا تم اپنی ماتا کے لیے اپنا جیون بچانا چاہتی ہو یا پھر؟"
"میں تمہارے آگے ہاتھ باندھ کر بنتی کرتی ہوں گردھاری۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بے بسی سے بولی۔ "مجھے اور میری پوترتا کو برباد کرنے کا خیال اپنے من سے نکال دو۔"
"سمجھ گیا۔" میں نے سفاک لہجے میں کہا۔ "گویا تمہیں یہ سودا منظور نہیں ہے۔"
"اتنے کٹھور دل مت ہو۔ تمہارے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ تم اب تک نہ جانے کتنے کومل شریر کو روندنے کا پاپ کر چکے ہو۔ کیا تم اپنے جیون میں مجھے شمار کر کے پن کا ایک کام نہیں کرو گے۔"
"گردھاری پاپ کا دوسرا روپ ہے اور تم اس سے پن (ثواب کا کام) کی آس لگائے ہو۔ کیوں مخول کر رہی ہو۔"
"گردھاری پلیز۔ میں تم سے بھگوان کے نام پر رحم کی بھکشا مانگتی ہوں۔"
"میرے پاس سمے کم ہے۔" میں نے خوفناک آواز میں جواب دیا۔ "اگر ہمارے بیچ یہ لوہے کی گرل نہ ہوتی تو شاید اب تک تمہارے سندر شریر پر گردھاری کی چھاپ لگ چکا ہوتا۔"
"ٹھہرو۔" وہ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولی۔ "میں تمہارے لیے دروازہ کھولتی ہوں لیکن۔۔۔"
"نہیں۔۔۔ تم گردھاری کے ساتھ اب کسی چھل کپٹ سے

aazzamm@yahoo.com

کام نہیں لے سکتیں۔" میں جو اشوک کے میک اپ میں ہوتے ہوئے بھی کومل ورما کے لیے کسی گردھاری کا روپ اختیار کر چکا تھا بڑی حقارت سے بولا۔ "اب تم گردھاری سے کیول اپنی کوئی آخری اچھا (خواہش) پوری کرا سکتی ہو پر تو اس شرط پر کہ تم میری آنکھوں سے دور رہنے کی کوئی شرط نہیں لگاؤ گی۔ نہ ہی جیون دان کرنے کی بھکشا (بھیک) مانگو گی۔

"میں تمہیں وچن دیتی ہوں۔"

"نہیں... اب ان باتوں کا سمے بیت چکا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہاں اگر تو لوک سدھارنے سے پہلے اگر تم گردھاری کو اپنے کومل شریر کا درشن کرا دو تو تمہارا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" میں جان بوجھ کر ایسی باتیں ریکارڈ کر رہا تھا جو بحیثیت شہباز خان کے میری بے گناہی کا ثبوت فراہم کر سکتیں۔ مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ ابھی تک موہنی کا پارٹ پلے کرنے والی بدروح نے کومل ورما کی کوئی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تم مجھے مار ڈالو لیکن تمہاری اس گندی خواہش کو کبھی پورا نہیں کروں گی۔" اس بار اس نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے پھر مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" میں نے یکے بعد چار فائر کیے۔ ہلکی ہلکی ٹھک ٹھک کی آواز ابھری اس کے ساتھ ہی کومل ورما کے جسم سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ وہ کسی کٹی ہوئی پھولوں کی مشکی شاخ کی طرح اپنے وجود سے علیحدہ ہو کر فرش پر گر پڑی تھی۔ اس کے بعد میں نے ٹیپ آف کر کے جیب میں ڈال لیا۔ میرا کام مکمل ہو چکا تھا۔ اس لیے میں نے بڑی برق رفتاری سے پلٹ کر پچھلی دیوار پھلانگی اور باہر سڑک پر آگیا۔ باہر آکر میں نے پستول کے دستے سے اپنی انگلیوں کے نشانات رومال سے صاف کیے اور اسے مکان کے اندر اچھالتا ہوا تیزی سے پلٹا۔ واپسی کے لیے میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد میں نے جلدی جلدی اپنا ریڈی میڈ میک اپ اتار کر پچھلی سیٹ پر اچھال دیا لیکن اس پر سے بھی اپنے فنگر پرنٹس صاف کرنا نہیں بھولا تھا۔ تھری اسٹار کے اس ہوٹل سے جہاں میں نے اشوک کے نام سے کمرا بک کیا تھا۔ بہت دور گاڑی ایک کنارے روک کر نیچے اترا اور اطمینان سے چلتا ہوا دوسری سڑک پر آگیا جہاں سے ایک ٹیکسی پکڑ کر اس میں بیٹھا اور گھر کی سمت روانہ ہو گیا۔ یہاں یہ بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہوٹل کے کمرے سے نکلتے وقت اور کرائے کی گاڑی سے اترنے سے پہلے اپنے تمام نشانات مٹانا نہیں بھولا تھا جو پولیس کے لیے میرے سلسلے میں کوئی ثبوت فراہم کر سکتے۔ ٹیکسی بھی میں نے اپنی رہائش گاہ سے سو گز دوری پر چھوڑ دی تھی جہاں سے گھر تک پہنچنے کا سفر میں نے پیدل ہی طے کیا تھا۔ مجھے اپنی اس حرکت پر کوئی ندامت یا افسوس نہیں تھا۔ اس لیے کہ میں نے ماسٹر ٹونی کا حساب برابر کر دیا تھا۔ شاید حالات نے مجھے باغی بنا دیا تھا۔

دوسری صبح میں نہا دھو کر حسب معمول تازہ دم ہو کر دفتر پہنچا تو سراج وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اس کے چہرے پر گہری تشویش کے تاثرات موجود تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر اٹھا پھر ہاتھ ملا کر دوبارہ بیٹھ گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ جن نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا وہ ایک دوست یا پرانے واقف کار کی نہیں بلکہ قانون کی نگاہیں تھیں۔

"خیریت..." میں نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔ "آج صبح ہی صبح ادھر کا راستہ کیسے بھول گئے؟"

"مسٹر شہباز۔ آپ کو شاید یاد ہو گا کہ ہم نے کل ہسپتال میں ماسٹر ٹونی کو پیش آنے والے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک پلان پر غور کیا تھا۔"

"جی... جی ہاں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا پھر سراج کو بڑی معصوم نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا آپ کومل ورما یا موہنی جیسی خوبصورت عورت کو ٹھکانے لگانے کا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ میرے خیال سے نہیں۔"

"میں اس وقت بہت سنجیدہ ہوں مسٹر شہباز۔"

"میں محسوس کر رہا ہوں لیکن...؟"

"میں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ کسی صورت میں بھی قانون کو اپنے ہاتھوں میں لینے کی جذباتی حرکت سے باز رہیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"گزشتہ رات کسی نے کومل ورما کو قتل کر دیا ہے۔" سراج نے مجھے وہ تمام تفصیل بتائی جس سے میں پہلے ہی واقف تھا۔

"نہیں۔" میں نے سب کچھ سننے کے بعد چونکتے ہوئے پوچھا۔ "یہ حرکت کون کر سکتا ہے جبکہ موہنی نامی کوئی پراسرار قوت کومل ورما کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ ویسے بائی دی وے آپ کو اس قتل کی واردات کی اطلاع کہاں سے ملی۔"

"موہنی کے ذریعے۔" سراج نے پہلو بدل کر جواب دیا۔ "اس کے علاوہ میں خود اس قتل کی واردات کو دیکھ کر آیا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"موہنی کا فون ریسیو کرنے کے بعد میں سیدھا کومل ورما کے گھر گیا تھا جہاں اس کا جسم خون میں لت پت پڑا اپنی آخری سانسیں گن رہا تھا۔" سراج نے کہا۔ "مسٹر پانڈے بھی اسی خبر کی اطلاع ملتے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ کومل ورما کی ماں کے بیان کے مطابق اسی نے مسٹر پانڈے کو اس حادثے کی اطلاع دی تھی۔ ہم نے فوری طور پر کومل ورما کو طبی امداد فراہم کرنے کی غرض سے ہسپتال روانہ کیا لیکن خون زیادہ بہ جانے کے سبب وہ جاں بر نہ

ہو سکی۔ اس نے میڈیکل ایڈ ملنے سے پہلے ہی دم توڑ دیا تھا۔"

"لیکن... یہ قتل کون کر سکتا ہے۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"یہی بات تو میں آپ سے دریافت کرنے کی غرض سے یہاں موجود ہوں۔" سراج کے لہجے کے اندر ایک ہلکا سا تجسس بھی شامل تھا۔ وہ میرے اوپر شک کرنے میں حق بجانب تھا لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ بغیر ثبوت کے مجھے ہراساں نہیں کر سکتا۔ دفتر آتے وقت میں گردھاری کے فرضی نام پتے سے ٹیپ شدہ کیسٹ بھی سراج کے نام پر ایک پارسل کی صورت میں پوسٹ کر چکا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ موہنی کی بدروح اب کومل ورما کو درمیان سے ہٹانے کے بعد کوئی نیا روپ اختیار کرے گی۔"

"کیا آپ کی رائے میں اسے موہنی کی بدروح کی پراسرار قوت نے مارا ہو گا۔"

"اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کل اس کی نادیدہ طاقت نے ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی ہو اور اس کے بعد اس نے کومل ورما کو راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹا کر ہمیں کسی نئی الجھن میں ڈالنے کی چال چلی ہو؟"

"کیا بدروحیں گولی بھی چلا سکتی ہیں؟" سراج نے بھنچے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر آپ کی بات مان بھی لی جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس پراسرار قوت کو کھڑکی کا شیشہ کاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ سائلنسر لگے ہوئے پستول کے استعمال کے بغیر بھی اسے ٹھکانے لگا سکتی تھی۔"

"میں نے ابھی یہی اظہار کیا تھا مائی ڈیئر مسٹر سراج کہ حالات کو الجھا کر وہ پراسرار قوت ہمیں کسی الجھن میں ڈالنا چاہتی ہے۔"

"اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو کیا میں ضابطے کی کارروائی کی خاطر آپ سے ایک دو سوالات کر سکتا ہوں۔"

"کیوں نہیں۔" میں نے بدستور بے پروائی سے کہا۔ "آپ جو چاہیں پوچھ سکتے ہیں؟"

"کل رات نو اور گیارہ کے دوران آپ کہاں تھے؟"

"اوہ! آپ شاید میری ذات پر شبہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" میں سنجیدہ ہو گیا۔ یہ حرکت میں نے جان بوجھ کر اپنی ناگواری کے اظہار کے طور پر کی تھی۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوا۔"

"میں کل رات سات بجے کے بعد سے گھر پر ہی تھا۔" میں نے بلا جھجک کہا۔ "آپ اگر چاہیں تو میری ماں اور گھریلو ملازموں سے بھی دریافت کر سکتے ہیں۔"

"آئی ایم سوری مسٹر سراج لیکن آپ ہی بتائیے کہ میں کیا کروں؟" میری بات پر یقین کر لینے کے بعد اس نے بڑی بے بسی سے کہا۔ "وہ پستول جس سے کومل ورما پر چار فائر کیے گئے تھے ہمیں کومل ورما کے کمرے کے باہر پچھلی دیوار کے پاس پڑا ملا تھا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ موہنی کی پراسرار قوت نے یہ کام کسی اور کے ذریعے اس کا دماغ ماؤف کرنے کے بعد کرایا ہو۔ آپ ٹونی کو پیش آنے والے حادثے کو کیوں فراموش کر رہے ہیں۔"

"سب کچھ ممکن ہے لیکن ہم اوپر والوں کے سامنے کیا جواز پیش کریں گے۔"

"پانڈے جی کا اس قتل کے بارے میں کیا خیال ہے؟" میں نے پرتجسس انداز میں کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ ان ہی کے دفتر کے کسی ناکام عاشق نے کومل ورما کی شرافت سے مایوس ہو کر اسے ٹھکانے لگا دیا ہو۔" آخری جملہ میں نے دیدہ و دانستہ ادا کیا تھا۔ جے شنکر کمپنی سے ارجن نامی ایک شخص کو جو بہت کام کا آدمی تھا محض اس لیے برطرف کر دیا گیا تھا کہ اس نے کومل ورما کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی۔

"میں نے اس نکتے پر بھی غور کیا تھا لیکن مسٹر پانڈے کا خیال ہے کہ قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب ان کے کسی ملازم سے سرزد نہیں ہوا ہو گا۔ البتہ انہوں نے اپنے ارجن نامی ایک ملازم کے بارے میں اتنا ضرور کہا تھا۔ اسے کچھ عرصہ پیشتر ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا۔"

"کیا ارجن پر شک نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "چونکہ اس کی برطرفی کا سبب کومل ورما کی شخصیت تھی اس لیے اس نے انتقام کے طور پر ایک انتہائی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔"

"میں نے اس کا نام بھی مشتبہ اشخاص کی فہرست میں شامل کر لیا ہے۔" سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ اب وہ بری طرح نروس دکھائی دے رہا تھا۔

"کومل ورما کی ماں کا کیا بیان ہے؟" میں نے پوچھا۔ "کیا اس نے کسی پر اپنے شبہے کا اظہار کیا ہے؟"

"نہیں... اس کا کہنا ہے کہ اس کی لڑکی بے داغ کردار کی مالک تھی۔"

"ایسی صورت میں صرف موہنی کی ناپاک قوت اور ارجن کی ذات پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔"

"میں بار بار آپ کو پریشان کرنے کی خاطر آپ کے دفتر چلا آتا ہوں۔" سراج نے میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو ناگوار تو محسوس نہیں ہوا؟"

"جی نہیں۔" میں نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ "میں آپ کی مجبوری سمجھتا ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

سراج نے میرا شکریہ ادا کیا پھر میرے اصرار پر کافی پی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد میرے ہونٹوں پر بڑی پراسرار اور معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میری باتوں نے اس کے ذہن سے میرا نام ضرور کھرچ دیا ہو گا۔

سراج کے جانے کے بعد میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر دانی کو طلب کر کے پوچھا۔

"ماسٹر ٹونی کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں آپ کے حکم کے مطابق صبح اسے دیکھنے ہسپتال گیا تھا۔" دانی نے اداس لہجے میں اپنے غم کا اظہار کیا۔ "اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی لیکن ابھی کسی کو اس سے ملنے کی اجازت نہیں ملی۔ وہ ابھی آئی سی یو میں انڈر آبزرویشن ہے۔ ہو سکتا ہے کل یا پرسوں تک اسے کسی وارڈ میں شفٹ کر دیا جائے۔"

"کسی وارڈ سے آپ کی کیا مراد ہے؟" میں اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "آپ ابھی فون کر کے اس کے لیے اسپیشل وارڈ میں ڈی لکس روم بک کرا لیں۔"

"بہتر ہے۔"

"ٹونی کو ہمارے کچھ ورکروں نے اپنا خون بھی بطور عطیہ بروقت فراہم کرنے کا نیک فرض ادا کیا تھا۔ کیا آپ ان کو جانتے ہیں؟"

"ایک دو کو تو میں جانتا ہوں۔ ویسے ان لوگوں کے نام دانش کے علم میں ضرور ہوں گے۔" دانی نے کہا۔ "خود دانش نے بھی ایک بوتل خون دیا تھا۔"

"بروقت، محبت اور بھائی چارے کی بنیاد پر جو چیز فراہم کی جائے اس کی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی پھر بھی آپ ان تمام ورکروں کو کمپنی کی طرف سے نام بنام شکریے کا لیٹر ایشو کر دیں بطور دو دو ہزار روپے بھی۔ یہ تمام اخراجات کمپنی کے کھاتے سے ادا ہوں گے۔"

"میں سمجھ گیا سر، اور آپ کے اس جذبے کی قدر بھی کرتا ہوں ورنہ اس دور میں کون کسی کا۔"

"ڈاکٹروں نے ٹونی کی صحت کے بارے میں کیا کہا ہے؟" میں نے دانی کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"وہ سب پرامید ہیں۔" دانی نے میرے جملے کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔ "لیکن ٹونی شاید اب آؤٹ ڈور ڈیوٹی کا کام سرانجام نہیں دے سکے گا۔ یوں بھی اسے دو تین مہینے تک مکمل بیڈ ریسٹ کی ضرورت ہو گی۔"

"ٹونی کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"کس سلسلے میں سر؟"

"کیا وہ آؤٹ ڈور کا کام سنبھال سکتا ہے؟"

"جی ہاں۔ ٹونی اکثر اسے اپنے ساتھ سائٹ پر لے جاتا تھا۔"

"میرے خیال میں ٹونی کی جگہ کسی نئے آدمی کے بجائے دانش زیادہ بہتر طور پر ہمارے لیے کارآمد ثابت ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو آج ہی دانش کی ترقی کر کے اسے ٹونی کی جگہ تعینات کر دیں اور دانش کی جگہ ورکس فورمین کو چیف فورمین کے اضافی کام کا لیٹر بھی تنخواہ میں معقول اضافے کے ساتھ جاری کر دیجئے۔"

"جیسا آپ کا حکم سر لیکن۔" دانی نے کچھ کہتے کہتے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

"آپ خاموش کیوں ہو گئے؟"

"ٹونی کو اپنی جگہ چھن جانے کا ضرور دکھ ہو گا۔" دانی بولا۔ "کیا آپ اپنے فیصلے کو کچھ دن کے لیے موخر نہیں کر سکتے اس وقت تک جب تک ٹونی مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو جاتا۔"

"نہیں، میں جو قدم اٹھا رہا ہوں بہت کچھ سوچ سمجھ کر اٹھا رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "ٹونی کو میں نے اپنے اور والد صاحب کی کمپنی کے تمام کاموں کا چیف سپروائزر بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کام کے لیے اسے کمپنی کی طرف سے ایک گاڑی اور ڈرائیور فراہم کیا جائے گا جو کلی طور پر اس کے ڈسپوزل پر ہو گا۔ اس کے علاوہ ٹونی روبہ صحت ہونے کے بعد ہمارے ساتھ اسی بلڈنگ میں ایک ایسے آفس میں بیٹھا کرے گا جس میں اس کی ضرورت کے مدنظر تمام ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے صحت مند ہونے کے بعد کسی بے بسی کا احساس ہو اس لیے آپ آج ہی تمام لیٹر تیار کر لیں اور ٹونی کے ہوش میں آتے ہی اسے میرے فیصلے سے آگاہ کر دیں۔ فی الحال میں ٹونی کی تنخواہ میں سہولتوں کے علاوہ پانچ ہزار کا اضافہ بھی کر رہا ہوں۔"

"میں آپ کے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں سر لیکن کہیں ٹونی اس ترقی کو بھی اپنے اوپر احسان نہ کر لے۔"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں ٹونی کے ہوش میں آنے کے بعد اس کا لیٹر خود اپنے ہاتھوں سے سرو کرنا زیادہ پسند کروں گا۔"

"یہ زیادہ مناسب ہو گا۔"

دانی کے جانے کے بعد میں روز مرہ کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ شام کو دفتر سے اٹھنے کے بعد میں سیدھا ریڈ کراس ہسپتال ٹونی کی خیریت دریافت کرنے گیا۔ دانش کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود وہ وہاں کھڑے تھے اور آنے جانے والے عملے کے افراد سے اس کی خیریت دریافت کر رہے تھے۔ دانش میرے قریب آتے ہوئے بولا۔

"ماسٹر ٹونی کی حالت اب پہلے سے بہتر ہے لیکن شاید ابھی اسے دو تین دن اور انتہائی نگہداشت میں رکھا جائے گا۔"

میں نے دانش سے خیریت دریافت کرنے کے بعد وہاں کے ڈاکٹر انچارج سے ملاقات کی۔ وہ مجھے جانتا تھا۔

"آیئے میں آپ کو اندر لے چلتا ہوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے خندہ پیشانی سے کہا۔ "مریض کو ہم نے نیند کا انجکشن دے رکھا ہے تاکہ اسے درد کی شدت نہ ہو سکے۔ آپ اسے صرف دور سے دیکھ سکتے ہیں۔"

"اس کی اوور آل کنڈیشن اب کیسی ہے؟"

"پہلے سے بہتر ہے۔ خاص طور پر اس کا بلڈ پریشر اور پلس (pulse) کی رفتار دونوں نارمل ہیں ورنہ عام طور پر یہ گھٹتی بڑھتی جاتی ہیں جس سے مریض کی حالت کو قطعی طور پر اسٹیبل (Stable) نہیں کیا جا سکتا۔"

میں ڈاکٹر کے ساتھ باہر آیا تو دانش کی نگاہوں کی خاموش درخواست کو نظرانداز نہیں کر سکا۔ میری سفارش پر ڈاکٹر نے اسے بھی اجازت دے دی۔ ہم ٹونی کے کمرے میں داخل ہوئے جہاں وہ بے خبری کی حالت میں سو رہا تھا۔ وہ سیدھے ہاتھ سے پہلے ہی محروم تھا اب اس کی سیدھی ٹانگ گھٹنے کے قریب سے کاٹ کر علیحدہ کر دی گئی تھی جس پر سفید سفید پٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا۔ دانش کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ ہم دونوں کچھ دیر بعد باہر آ گئے۔ میرے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی پھر بھی میں نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا۔ دانش اور اس کے ساتھیوں کو تسلی دی اور پھر باہر آ کر گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔ میری حالت ٹونی کی کیفیت دیکھ کر دگرگوں ہو گئی تھی۔ میرے دل کی ہر دھڑکن پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔

"تم ہی ٹونی کی بربادی کے ذمے دار ہو۔ اسے اب تمہاری ہی وجہ سے اپاہجوں جیسی زندگی گزارنی پڑے گی۔ تم ہی اس کی حقیر کیفیت کے ذمے دار کہلاؤ گے۔ تم نے خود کو بچانے کی خاطر کوئی دوسرا اغوا کرنے کا فرض اسے سونپ کر بڑی خود غرضی کا ثبوت دیا ہے۔ تمہارے اوپر تو بزرگ کا سایہ ہے۔ ہاتھ میں متبرک انگوٹھی بھی موجود ہے۔ جس کی وجہ سے کالی اور گندی قوتیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ اس کے باوجود تم نے اپنے سب سے قیمتی آدمی کی زندگی داؤ پر لگا کر اچھا نہیں کیا۔ تم اس کے ساتھ خواہ کچھ بھی کرو کتنی ہی مراعاتیں دے دو لیکن پھر بھی تم اس کے درد کا مداوا نہیں کر سکتے اور۔۔۔ اور۔۔۔ اگر وہ مر گیا تو تم ہی اس کے قاتل ہو گے۔ دولت سے دنیا کی ہر چیز خریدی جا سکتی ہے لیکن زندگی اور موت سے کسی قسم کی کوئی سودے بازی نہیں کی جا سکتی۔"

میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا تھا۔ میں گھر پہنچا تو ماں میری راہ دیکھ رہی تھیں۔ مجھے اس وقت والد صاحب کی یاد آ گئی۔ وہ بھی کسی کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے۔ میرے اندر ایک تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ اعصاب بری طرح کھچ رہے تھے لیکن میں نے ماں کو دیکھ کر اپنے ہونٹوں پر ایک مصنوعی مسکراہٹ سجا لی۔ یہ ایک فریب تھا جو میں خود اپنے آپ کو دے رہا تھا۔

رات کے کھانے کے دوران میں چپ چاپ سا تھا۔ ماں بہرحال ماں ہوتی ہے اس نے میرے اندر چھپے ہوئے غم کو بھانپ لیا تھا۔

"کیا بات ہے شہباز؟ تم مجھے آج کچھ افسردہ نظر آ رہے ہو۔"

"یوں ہی دفتر میں کام زیادہ تھا اس لیے تھکان ہو گئی ہے۔" میں نے امی کو دلاسہ دینے کی کوشش کی۔

"میری طرف دیکھو۔" امی نے کہا میں نے ان کی طرف نظریں گھما کر دیکھنے کی کوشش کی تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ سے گئے۔ یہ ایک فطری عمل تھا انسان اگر اپنے دکھ درد کا حال احوال کسی سے بیان کر دے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ میری نم آنکھیں دیکھ کر امی تڑپ اٹھیں۔

"شہباز۔ کوئی بری خبر تو نہیں ہے۔" انہوں نے تیزی سے دریافت کیا۔

میں نے ماسٹر ٹونی کو پیش آنے والے حادثے کو ایک اتفاقیہ حادثہ قرار دے کر کہانی کو کچھ توڑ موڑ کر بیان کرتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی اس کے پاس سے آ رہا ہوں وہ میرا سب سے دلیر، مخلص اور جانثار ورکر تھا۔ ٹانگ کٹ جانے کے بعد اس کی حالت کچھ مخدوش سی ہو گئی ہے۔ ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق اس کی زندگی بچ جائے گی لیکن نہ جانے کیوں دل کو چین نہیں آ رہا ہے۔"

"خدا پر بھروسا رکھو بیٹے۔ وہ بہتر کرے گا۔" ماں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "جو لوگ سچے اور مخلص ہوتے ہیں۔ ایمانداری اور دیانت سے زندگی گزارتے ہیں خدا ان کی مدد ضرور کرتا ہے۔"

کھانے کے بعد بڑی دیر تک امی سے باتیں کرتا رہا۔ باتوں باتوں میں انہوں نے ایک بار پھر میری شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"زندگی کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا کون جانے اگلی سانس زندگی کی آخری سانس ہو۔"

"پلیز امی۔۔۔ خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں۔"

"میری خواہش ہے کہ اپنی زندگی ہی میں تمہارے سر پر سہرا دیکھ لوں۔" امی کے لہجے میں حسرت تھی۔ ایک ماں کی آرزوؤں کی تڑپ شامل تھی۔

"آپ جہاں چاہیں جب چاہیں میری شادی کر دیں لیکن ابھی آپ کی عدت کے دن بھی پورے نہیں ہوئے۔"

"ایک بات پوچھوں شہباز۔"

aazzamm@yahoo.com

"جی۔" میں نے ماں کی طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"کیا تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے؟ اگر ہے تو مجھے بتا دو۔ مجھے تمہاری پسند پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"لڑکیاں تو بہت ساری دیکھی بھالی ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی سے شادی کر سکتا ہوں اس لیے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ذرا مشکل ہے۔" میں نے امی کی دلجوئی کی خاطر کہا۔

"کیوں مذاق کر رہا ہے؟ میں اس وقت سنجیدگی سے بات کر رہی ہوں۔"

"میں بھی غیر سنجیدہ نہیں ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "کہئے تو آپ کو بہت ساری لڑکیوں کی تصویریں لا کر پیش کر دوں۔ آپ جس پر انگلی رکھ دیں گی میں بلا کسی چوں و چرا کے اس سے شادی کر لوں گا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ تو مجھے بہلانے کی کوشش کر رہا ہے۔" ماں نے بڑی محبت سے دیکھا پھر پیار بھرے لہجے میں بولیں۔ "میری عدت کے دن پورے ہو لینے دو۔ پھر دیکھتی ہوں تم کیسے میری باتوں سے انکار کرتے ہو۔"

امی میری شادی کے موضوع پر خاصی دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہیں۔ میں ان کی خوشی کی خاطر ہاں میں ہاں ملاتا رہا پھر جب رات کے ساڑھے دس بج گئے تو اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آ گیا تاکہ لباس تبدیل کر سکوں۔ جب سے والد صاحب کا انتقال ہوا تھا میں ماں کی تنہائی کے احساس کو ان کے وجود سے دور رکھنے کی خاطر انہیں کے کمرے میں سوتا تھا۔ کپڑے تبدیل کر کے میں خواب گاہ سے نکل ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور میں نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"میں سوہنی بول رہی ہوں۔" دوسری جانب سے سوہنی کی آواز سنائی دی۔ "وہی سوہنی جس کی وجہ سے تم نے کومل دوما کو راستے سے ہٹا دیا۔"

"لیکن تم اس کے باوجود اپنی گندی قوتوں کے ذریعے اسے بچا نہیں سکیں۔"

"موقع ہی سمجھ جو اس وقت میں تمہارے ماسٹر ٹونی کی سازش کرنے میں مصروف تھی ورنہ۔"

"تم اور ٹونی کی مدد کرو گی۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "کیوں مجھے بہلانا چاہتی ہو؟"

"تمہاری ہی کمینگی کی وجہ سے وہ غریب ایک ٹانگ سے محروم ہوا ہے اور تم ہی اس کی زندگی بچانے کی کوشش کرو گی؟"

"ہاں ۔۔۔ میں تمہارے ایک ایک آدمی کو تڑپا تڑپا کر اور سسکا سسکا کر مارنا چاہتی ہوں۔"

"اب تم کس روپ میں سامنے آؤ گی؟" میں نے نفرت سے پوچھا۔ "ظاہر ہے کہ تم مجھ سے خوف زدہ ہو اس لیے کھل کر اپنے اصلی روپ میں درشن نہیں دو گی۔"

"چنتا مت کرو۔ اس کا سمے بھی جلد آنے والا ہے۔"

"اس وقت فون کرنے کا کیا مقصد ہے؟"

"میں تمہیں ایک موقع اور دے رہی ہوں۔ سوچ لو اگر تم نے میرا کہا نہ مانا تو ہو سکتا ہے کہ اس بار میں تمہیں سبق دینے کے کارن تمہاری ماتا کو اپنی مہان شکتی سے نرکھ میں جھونک دوں۔"

"بکواس بند کرو۔" میں نے سوہنی کو ایک گندی گالی دیتے ہوئے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔ "اگر تم نے میری ماں کی جانب اپنی گندی نظروں سے دیکھنے کی کوشش کی تو میں ان تمام سوالوں سے اپنے انتقام کی آگ بجھانے سے دریغ نہیں کروں گا جن کی خاطر تم بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہو۔ کومل دوما کی مثال تمہارے سامنے ہے اسے نہ بھولنا۔"

"ٹھیک ہے شری شہباز خان۔ اب مجھے تمہیں کوئی ایسا سبق دینا ہو گا کہ تم میرے آگے ہاتھ باندھ کر بھیک مانگو گے۔ پرنتو اس بار میں تمہیں شما نہیں کروں گی۔ ہمارے بیچ اب کوئی سمجھوتا بھی نہیں ہو گا۔"

"تم بھول رہی ہو کہ میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمان کبھی کفر کی طاقت کے آگے سرنگوں نہیں ہوتا۔" میں نے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ کہا پھر ریسیور کریڈل پر رکھا اور اپنے کمرے سے نکل کر ماں کی خواب گاہ کی جانب قدم بڑھانے لگا۔

اچھا ہی ہوا جو اس وقت امی کسی وظیفے کے ورد میں مصروف تھیں ورنہ میرے چہرے کی کیفیت دیکھ کر میرے دل کی کیفیت ضرور بھانپ لیتیں۔ ماں بہرحال ماں ہوتی ہے۔ اولاد کا چہرہ ایک ماں کے لیے وہ آئینہ ہوتا ہے جو دل کی چغلی کھانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ مجھے اس بات کا علم تھا کہ وہ وظیفہ ایک ماں اپنی جوان اولاد کے لیے اسے ہر قسم کے شر اور شیطانی قوتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے پڑھ رہی تھی۔ اس کی زندگی اور سلامتی کے لیے خدا کے حضور دعا مانگ رہی تھی۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ والد صاحب کی موت کے بعد سے امی کو اس بات کا شبہ ہو گیا تھا کہ کچھ نادیدہ قوتیں در پے آزار ہیں جس کی وجہ سے ایک دکھے دل کی مانند ڈھا گیا۔ یہ سوچ کر ہی تڑپ اٹھی تھی کہ اگر اس کے سہاگ کے بعد اس کی گود بھی اجڑ گئی تو وہ کیا کرے گی۔ کس کے سہارے جئے گی۔ اس وقت بھی وہ اسی اولاد کی خاطر اپنے پروردگار سے لو لگائے ہوئے تھی۔

میں نے نائٹ بلب روشن کیا اور بتی بند کر کے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ میرے دل میں قسم قسم کے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔ والد کا سایہ سر سے اٹھے ابھی چند ہی دن گزرے تھے اور اب سوہنی کی بدروح نے مجھے فون پر ماں کی موت کی دھمکی دی تھی۔ میں اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا۔ میری پلکوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے میں نے کروٹ بدل لی۔ میں کاروبار کے بڑھتے ہوئے

تاریخی ناول

ابلیس مصر	الماس ایم۔اے -/100
حسن بن صباح	الماس ایم۔اے -/125
راجکماری	الماس ایم۔اے -/150
نور الدین زنگی	الماس ایم۔اے -/250
سلطان عادل	الماس ایم۔اے -/150

مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

پاکستانی، انڈین اور چائنیز
کھانوں پر مشتمل اپنے طرز
کی واحد اور مکمل کتاب

سپیشل کچن گائیڈ

قیمت: -/75 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

پیدائش اور علم نجوم	کریمان -/75
رنگ لائے گا لہو	اکرام الدین -/75
جاوید پاکستان	آغا اشرف -/100
مراۃ العروس	ڈپٹی نذیر احمد دہلوی -/60
انار کلی	ڈاکٹر عارف بٹالوی -/75
لال قلعہ کا آخری تاجدار	خلیل احمد صدیقی -/150
خلافت اندلس	نواب ذوالفقار جنگ نادر -/150
عظیم مدبر عظیم قائد	زاہد حسین انجم -/125
قائد ملت لیاقت علی خان	زاہد حسین انجم -/100
مضامین فرحت	مرزا فرحت اللہ بیگ -/125
دختران ہند	پروفیسر علم الدین سالک -/125

مکتبہ القریش
اردو بازار۔ لاہور 2

aazzamm@yahoo.com

خسارے کو برداشت کر سکتا تھا۔ ہر نقصان کو سہہ سکتا تھا لیکن ماں کی جدائی کا تصور ہی میرے لیے بڑا المناک اور ناقابل برداشت تھا اگر میرا دشمن طوفان یا کسی آہنی چٹان کی صورت میں بھی میرے سامنے ہوتا تو میں اپنی زندگی کی پروا کیے بغیر اس سے ٹکرا جاتا لیکن ہواؤں سے لڑنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

مجھے معلوم تھا کہ موہنی ایک فرضی نام ہے۔ اس نام کے پیچھے ان ہی ناپاک اور گندی قوتوں میں سے کوئی ایک کام کر رہی تھی جس نے روپ نگر سے والد صاحب کی موت تک سائے کی طرح میرا تعاقب جاری رکھا تھا۔ وہ کوئی بھی قوت ہو سکتی تھی۔ شنکر پنڈت جیسی رام 'کالکا' یا پھر لیڈی مکلارنس۔ یہ تمام پراسرار قوتیں ناقابل یقین حد تک مجھے مختلف موقعوں پر چونکا چکی تھیں۔ میں ان ہی کے بارے میں غور کرتا۔ ان کی ارواح جسم سے جدا ہونے کے بعد بھی کسی اور کے دل و دماغ پر قبضہ جما سکتی تھیں۔ ان کے یہاں زندگی اور موت کا تصور بھی کچھ عجیب تھا' بہرحال موہنی میرے لیے ایک نام تھا۔ وہ قوت کسی نامعلوم وجہ سے کھل کر میرے سامنے آنے سے گریز کر رہی تھی پھر اچانک میرے ذہن میں جمنا کا نام ابھرا جو شنکر کی ناجائزہ محبوبہ تھی۔ جمنا کے سلسلے میں روپ نگر میں ملازمت کے دوران میں خود ایسی باتیں دیکھ چکا تھا جس کو انسانی ذہن قبول کرنے کو تیار نہیں ہو سکتا تھا لیکن وقت کے ساتھ نادیدہ قوتوں نے بھی حیرت انگیز طور پر ترقی کی تھی جس کی مثال لندن میں لیڈی مکلارنس کی صورت میں میرے سامنے آ چکی تھی۔ لوگ اس کے سائے سے بھی دور رہتے تھے۔ اس کی چیخ کوئی جگہ بچ ہوتی تھی۔ اس نے پنڈت جیسی دھر کو جس انداز میں ایک کٹے ہوئے سر کی صورت میں اپنی خواب گاہ میں طلب کر کے گفتگو کرائی تھی وہ میرے لیے حیران کن تھی پھر اس کی زیر زمین لائبریری دیکھ کر مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ روحوں کو بھی ریموٹ کنٹرول کے ذریعے زندہ انسانوں کی طرح باتیں کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

پنڈت جیسی دھر کو شنکر نے اپنے گرو درجہ دیا تھا جبکہ وہ بذات خود حیرت انگیز سفلی قوتوں کا مالک تھا۔ لیڈی مکلارنس کی خواب گاہ میں اس کے ہوا میں معلق کٹے ہوئے سر نے اس بات کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ وہ بہت جلد اس کی قید سے آزاد ہو جائے گا اور اس کے بعد وہ اپنے انتقام کو دشمنوں کی خون سے سیراب کرے گا۔ ہو سکتا تھا کہ اس کی روح لیڈی مکلارنس کے جال توڑ کر آزاد ہو گئی ہو؟ وہ شنکر کی بدروح بھی ہو سکتی تھی جس نے کومل وما کو اپنا معمول بنا رکھا تھا؟ ممکن تھا کہ اس نے اپنی گندی روح کے ساتھ جمنا کی آتما کو بھی شامل کر لیا ہو جو موہنی کا پارٹ پلے کر رہی تھی؟ لیڈی مکلارنس اور موہنی نے محض دو منٹ کے اندر اندر مجھے ایک ہی مشورہ دیا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو میں ماں کو لے کر لندن چلا جاؤں۔ ایسی صورت میں لیڈی مکلارنس کے اوپر بھی میرا شبہ کرنا حق بجانب تھا۔ کالکا کی طرح اس نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ میرے دل کی گہرائیوں میں نہیں جھانک سکتی لیکن وہ اس سحر کو توڑنے کے لیے بے چین تھی جس نے ان قوتوں کو میرے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے سے روک رکھا تھا۔ اس زاویے سے لیڈی مکلارنس اور کالکا کو ایک ہی شخصیت کے روپ بھی دیے جا سکتے تھے؟

"لیکن حقیقت کیا تھی؟"

"وہ قوتیں کیوں میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی تھیں؟"

"کیا وہ صرف نرنجن کی موت کا انتقام لینا چاہتی تھیں؟"

"اگر وہ انتقام تھا تو اس کی حد کہاں تک تھی۔ میرے پورے خاندان کی عبرتناک موت' یا پھر وہ محض اپنوں کی خاطر ایک مسلمان کو اپنے درمیان سے ہٹا کر شنکر پاٹڑے اور دوسروں کے لیے میدان صاف کرانا چاہتی تھیں؟" مجھے بار بار لندن جانے کا مشورہ میرے آخری سوال کو تقویت دینے کے لیے بہت کافی تھا۔

میں خاصی دیر تک ان ہی خیالات کے الجھے ہوئے تانے بانوں کو سلجھانے میں مصروف تھا۔ کب مجھے نیند آئی اور کب میرا ذہن گھپ اندھیروں میں اترتا چلا گیا۔ مجھے کچھ یاد نہیں پھر میری آنکھیں بند ہی رہیں لیکن ذہن لوبان اور صندل کی ملی جلی تیز خوشبو سے جاگنے لگا۔ میرے اندر کیف و مستی کا طوفان ٹھاٹھیں مارنے لگا پھر میں نے کمبل پوش سفید ریش دراز بزرگ کو دیکھا جو میرے سامنے آڑی ترچھی لکڑی تھامے کھڑے تھے۔ ان کی نگاہیں شعلہ بار ہو رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں آج پہلی بار ان کی نظروں میں جاہ و جلال کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ ان آنکھوں کی گرمی میرے دل کی دھڑکنوں کو تیز کر رہی تھی۔ میرا پورا وجود جیسے اس وقت بھڑکتے شعلوں کی زد میں تھا۔ میرے اندر ایک تلاطم سا برپا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میں تاریخ کی کیفیت سے دوچار تھا۔ کوئی پراسرار قوت میرے وجود کو استحکام بخش رہی تھی۔ مجھے اپنے قدم زمین پر نہایت مضبوطی سے جمتے محسوس ہو رہے تھے۔ میرے خون کی گردش تیز ہو رہی تھی۔ میں پلکیں جھپکائے بغیر سفید ریش بزرگ کی نگاہوں میں ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ یہ سلسلہ کچھ دیر قائم رہا پھر بزرگ کی آنکھوں کی گرمی اور میرے وجود کے اندر پیدا ہونے والی حدت بتدریج کم ہونے لگی۔

"بیٹا..." کمبل پوش بزرگ نے اپنی ٹیڑھی میڑھی لکڑی کو زور سے زمین پر مارتے ہوئے کہا۔ "عمارت کی چھت پر چڑھ کر آگ میں چھلانگ لگا دے۔"

"مجھے اس وقت آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" میں نے انکساری سے کہا۔ "وہ مجھے والد صاحب کے سائے سے محروم کر چکی ہیں اور اب مجھے ماں کی شفقت سے بھی محروم کرنے کے خواب دیکھ رہی ہیں۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ دم دبا کر دوڑ لگا دے لیکن اس وقت تو آسمانوں پر اڑ رہا تھا۔ کبڈی کھیل رہا تھا۔" بزرگ نے اپنی داڑھی کھجاتے ہوئے جواب دیا۔ "اب بھی وقت ہے۔ کسی برگد کے درخت کی مضبوط شاخ کو تھام کر الٹا لٹک جا۔ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔"

"مجھے مایوس نہ کریں میرے بزرگ۔ آپ کی ایک نظر کرم میرے بگڑتے حالات کا رخ بدل سکتی ہے۔" میرے لہجے میں عاجزی تھی۔

"کبوتر کی طرح قلابازیاں کھانی چھوڑ دے۔ لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں دھوبی پاٹ لگانے کے گر سیکھ لے ورنہ لاد چلے گا بنجارہ۔"

"میں ہواؤں سے نہیں لڑ سکتا۔ جو نادیدہ قوتیں میرے اطراف موت کا جال بن رہی ہیں۔ وہ اپنا گھیرا روز بروز تنگ کرتی جا رہی ہیں۔ میرا دم گھٹنے لگا ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے اپنی زندگی کی کوئی پروا نہیں' لیکن میری ماں بے قصور ہے بڑے صاحب۔ اس پر ایک نظر کرم ہو جائے۔"

بزرگ نے بس ایک نظر پلٹ کر ماں کی جانب دیکھا جو بے خبر سو رہی تھی پھر میری طرف گھور کر بولے۔

"تنبوان کے کیڑے۔ مجھ پر کیچڑ اچھال رہا ہے۔"

"رحم کریں بڑے صاحب۔ آپ کے اشارے میری سمجھ میں نہیں آتے۔" میری آواز بھرا گئی۔

"بھینس والے خدارے کی دم پکڑ کر آسمان کی طرف اڑ جایا پھر ناک پکڑ کر سمندر میں غوطہ لگا دے۔"

"مجھے اپنی یہ لکڑی دے دو میاں صاحب۔" میں نے درخواست کی۔ "میرے لیے بڑی ہمت ہوگی۔"

"کیا کرے گا اس کا۔ کتے بھگائے گا۔"

"ہاں۔" میں تیزی سے بولا۔ "ان کتوں کو آپ کی کراماتی لکڑی سے مار بھگاؤں گا جو میری بوٹیاں نوچنے کی خاطر میری سمت لپک رہے ہیں مجھے کامل یقین ہے کہ میرے پاس یہ لکڑی ہوگی تو وہ میرے قریب آنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ دور دور بھونکتے رہیں گے۔"

بزرگ نے آنکھیں پٹ پٹانا شروع کر دیں۔ اس طرح آنکھیں پھاڑے میری جانب دیکھ رہے تھے جیسے میری باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہے ہوں پھر یکلخت قہقہہ لگاتے ہوئے بولے۔ "میرے ساتھ آنکھ مچولی کھیلے گا؟"

"نہیں۔ میں ابھی اتنا قد آور نہیں ہوا ہوں۔"

"کوڑا جھنک لگانی شروع کر دے۔ طوفانوں کے ساتھ پنجہ لڑانے کی عادت ڈال لے ورنہ مرغی کڑکڑاتی ہوئی ڈربے سے نکل بھاگے گی۔"

"مجھ پر رحم کریں۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں التجا کی۔ "آپ کی باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔"

"سن۔ میری ایک بات مانے گا؟" بزرگ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہاں... ہاں... میں آپ کا ہر حکم ماننے کو تیار ہوں۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

"اگر کچھ دم ہے تو بی تن لگانی شروع کر دے۔ چور نکل کر بھاگ لے گا۔"

"میں الجھ گیا ہوں صاحب۔ میرا ذہن کام نہیں کر رہا۔"

"ایک طریقہ اور بھی ہے۔" سفید ریش بزرگ نے بڑے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"وہ کیا؟" میرے وجود میں امید کی کرن دوڑ گئی۔

"آگ بجھانے کے لیے پانی نہ ملے تو پاجامہ اوپر چڑھا لے اور ٹانگ اٹھا کر فارغ ہو جا۔ دماغ ہلکا ہو جائے گا۔"

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں حضرت۔" میں نے پھر التجا کی۔ "میری ماں کو بچا لیجیے۔ میں آپ سے اور کچھ نہیں مانگتا۔"

بزرگ نے پھر میری جانب غور سے دیکھا پھر دبے قدموں آگے بڑھ کر پانی کا وہ گلاس اٹھا لیا جو میرے سرہانے رکھا تھا۔ کچھ دیر تک پانی کو سونگھتے رہے پھر ایک چلو پانی ہاتھ میں لے کر ماں کی طرف اچھال دیا اور باقی میرے منہ پر زور سے مارا تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ لوبان اور صندل کی خوشبو ابھی تک کمرے میں مہک رہی تھی لیکن بزرگ کا کوئی اتا پتا نہیں تھا پھر میں نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو وہ پانی سے شرابور ہو رہا تھا۔ میں ابھی گزرے ہوئے لمحات پر غور کر رہا تھا کہ ماں بھی جاگ اٹھی۔

"کیا بات ہے شہباز۔" انہوں نے مجھے جاگتا دیکھ کر بے چینی سے پوچھا۔ "تم ابھی تک سوئے نہیں۔"

"نیند نہیں آ رہی ہے۔" میں نے ان کو ٹالنا چاہا۔

"تمہارا چہرہ کیسے بھیگ رہا ہے؟" وہ میرے قریب آ کر چونکیں۔ "سب خیریت تو ہے۔"

میں نے ان کی جانب غور سے دیکھا تو چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ سفید ریش بزرگ نے چلو بھر کر جو پانی پھینکا تھا اس کے چھینٹے ان کے لباس پر بھی نظر آ رہے تھے۔

"گرمی لگ رہی تھی اس لیے ابھی منہ دھو کر آیا ہوں لیکن آپ کی آنکھ کیسے کھل گئی۔" میں نے ایک معقول بہانہ تراشتے ہوئے ان سے پوچھا۔

"مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے تمہارے کپڑوں میں آگ لگ رہی ہو۔ شاید میں نے خواب دیکھا تھا۔ اسی خواب کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کا جملہ سننے کے بعد ہی

aazzamm@yahoo.com

مجھے احساس ہوا تھا جیسے میرا وجود اندر ہی اندر تپ رہا ہو۔

"سچ سچ بتا شہباز، تو کچھ پریشان تو نہیں ہے۔" امی نے کہا۔ "میں تمہارا سر دبائے دیتی ہوں۔"

میں نے امی کی طرف دیکھا پھر ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ وہ ہولے ہولے میرے سرہانے لگیں۔ ماں کے ہاتھوں کا لمس پا کر میرے اندر جیسے پھر ٹھنڈک پڑ گئی ہو۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں پھر کب میری آنکھ دوبارہ لگی مجھے کچھ یاد نہیں۔

تین روز بعد ماسٹر ٹونی کو آئی سی یو سے پرائیویٹ وارڈ کے ڈی لکس روم میں شفٹ کر دیا گیا۔ وہ بڑی تیزی سے زندگی کی طرف واپس لوٹ رہا تھا لیکن ایک ایسے شخص کی شکل میں جو اب سیدھے ہاتھ کے ساتھ ساتھ اپنی سیدھی ٹانگ سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ ہر چند کہ ڈاکٹروں اور ماہرین نے مجھے یقین دلایا تھا کہ مصنوعی ٹانگ لگ جانے کے بعد ٹونی اپنے روزمرہ کے معمول کو بہ آسانی انجام دے سکتا ہے لیکن مجھے اس بات کا احساس تھا کہ اس غریب کو میری ہی وجہ سے اتنا بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

میں دانش کے ہمراہ جس وقت ٹونی کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ پوری طرح ہوش و حواس میں تھا۔ دانش وہاں پہلے سے موجود تھا۔ مجھے چاروں طرف پھول کے گلدستے نظر آ رہے تھے جن سے پورا کمرا مہک رہا تھا۔ وہ گلدستے اس عقیدت اور محبت کا اظہار تھے جو دوسرے ورکروں کے دلوں میں ٹونی کے لیے موجود تھا۔ دانش مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ٹونی نے میری جانب دیکھا تو اس کی آنکھیں نمناک ہونے لگیں۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔ شاید وہ اپنے اندر سر ابھارنے والے طوفانی جذبوں کو پوری شدت سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے آگے بڑھ کر ٹونی کو گلدستہ پیش کیا تو اس نے اسے قبول کرتے ہوئے مجھے کچھ عجیب نظروں سے دیکھا جس میں حسرت اور عقیدت کا ملا جلا تاثر موجود تھا۔

"کیسے ہو ٹونی۔" میں نے اپنی شرمندگی کو چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاؤ از گریٹ باس۔" ٹونی نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "آپ کی مہربانی سے زندہ ہوں لیکن۔"

"لیکن کیا۔" میں نے آہستہ سے پوچھا۔ میں محسوس کر رہا تھا اس وقت ٹونی کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ مجھ سے اپنی بے بسی کا شکوہ کرے گا اس لیے کہ طاغوتی قوتوں نے اسے میری ہی وجہ سے اس حال تک پہنچایا تھا۔ میں اپنے آپ کو ٹونی کا مجرم سمجھ رہا تھا چنانچہ میں نے جلدی سے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ٹونی مجھے احساس ہے کہ میں نے شاید ایک غلط فیصلہ کیا تھا۔"

"باس۔" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"مجھے وہ کام تمہیں نہیں سونپنا چاہیے تھا۔" میں دبی زبان میں بولا۔

"آپ غلط سمجھے باس۔" اس نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔ "ٹونی کو اپنی ٹانگ کٹ جانے کا غم نہیں ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے اب میں آپ کے کسی قابل نہیں رہا۔"

"تمہارا خیال غلط ہے تم کل بھی میرے دست راست تھے اور آئندہ بھی شاید تمہارا مقام کوئی اور نہیں لے سکے گا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں باس آپ کی بات کا مطلب لیکن اب تو میری قوت صرف اس شیر جیسی ہو گئی ہے جو کچھار میں بیٹھ کر ہی کسی قسمت کے مارے شکار کو ہی شکار کرنا اپنی بہادری سمجھ سکتا ہے۔" ٹونی نے حسرت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "شکار پر جھپٹنے اور پچھاڑنے کے بعد اس کی گردن دبوچنے کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

"شیر ہر حال میں شیر ہی کہلاتا ہے۔ چاہے اپنی کچھار میں ہو یا کہیں اور۔" میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی۔

"شکریہ باس۔" ٹونی کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

میرے اشارے پر دانش اور وارثی اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے تو میں نے کہا۔

"میں نے تمہارا انتقام لے لیا ہے ٹونی۔ کومل ورما اب اس دنیا میں نہیں رہی۔"

باس۔" ٹونی چونکا۔ "کیا آپ نے اسے خود...."

"ہاں میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔" میں نے ٹونی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "مجھے ابھی کچھ قرض اور بھی ادا کرنے ہیں جو تمہاری طرف سے میرے اوپر واجب ہیں۔"

"اوہ۔ نو باس نو۔" ٹونی نے کہا۔ "آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"ٹونی اب حد سے گزر چکا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "سوامی کی گندی آتما نے اب میری ماں کی طرف آنکھ اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"کاش میں اب بھی آپ کے کسی کام آ سکتا۔" ٹونی ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

"تم اب بھی میرے لیے بہت کارآمد ہو۔ شاید پہلے سے بھی زیادہ۔" میں نے موقع غنیمت جان کر جیب سے ٹونی کا لیٹر والا لفافہ نکال کر ٹونی کی طرف بڑھا دیا۔

"اس میں کیا ہے باس۔" ٹونی نے حیرت سے دریافت کیا۔

"میری مشکلات کا حل۔"

جواب دینے کے بجائے ٹونی نے لفافہ کھول کر اپنا پروموشن لیٹر پڑھا تو اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ کچھ دیر چپ چاپ لیٹا چھت کو گھورتا رہا پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔

"مجھے خوشی ہے باس کہ آپ نے ٹونی کو کسی قابل سمجھا لیکن اب شاید میں آپ کی پہلی جیسی خدمت نہ کر سکوں گا۔ آپ مجھے جس اعزاز سے نوازنا چاہتے ہیں ٹونی اب اس کے قابل نہیں رہا۔"

"تم شاید اس پیشکش کو اپنی سابقہ خدمات کا کوئی معاوضہ سمجھ رہے۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم نے میری خاطر جو کچھ کیا ہے مجھے اس پر ناز ہے۔ فخر ہے۔ اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ تم پہلے بھی میرے لیے سب سے قیمتی تھے اور آج بھی ہو۔"

"لیکن باس۔"

"مجھے مایوس نہ کرو ٹونی۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں نے جو کچھ کیا ہے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ تم کو اپنی ذمے داریاں سونپنے کے بعد میں خود کو بہت ہلکا محسوس کروں گا اور پہلے کے مقابلے میں زیادہ آزادی سے اپنے دشمنوں سے ٹکرا سکوں گا۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے صرف تمہیں اپنی سیٹ نہیں دی کر تمام سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا ہے اس طرح ذمے داریوں کا بوجھ میرے شانوں سے اتر جائے گا۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں باس کہ آپ نے ماسٹر ٹونی کو اس قابل سمجھا مگر۔"

"کوئی اگر مگر نہیں۔ اب تم نے انکار کیا تو مجھے دکھ ہوگا۔"

"میں آپ کی ذمے داریوں کو زندگی کی آخری سانس تک سنبھالنے کا وعدہ کرتا ہوں باس لیکن ایک شرط پر؟"

"کون سی شرط؟"

"آپ بذات خود آگ میں چھلانگ لگانے کی کوشش نہیں کریں گے۔" ٹونی نے تیزی سے کہا۔ "ایک ٹونی اپاہج ہو گیا تو کیا۔ آپ کے پاس تو ابھی کئی ٹونی موجود ہیں جنہیں تھوڑا سا تراش کر کندن بنایا جا سکتا ہے۔"

"تمہارا اشارہ کس کی طرف ہے۔"

"دانش کی طرف۔" ٹونی نے جواب دیا۔ "وہ صرف ملازمت کے دوران ہی میرا دست راست نہیں رہا ہے بلکہ عام زندگی میں بھی ہم دونوں نے شانہ بشانہ ہو کر بہت سارے تیز اور تیز شکار کیے ہیں۔"

"تم نے یہ بات مجھے پہلے کبھی نہیں بتائی۔"

"اس کا موقع پہلے کبھی آیا ہی کب تھا۔" ٹونی نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "آپ دانش کو کوئی خدمت کا موقع دے کر دیکھیے۔ وہ بھی میری طرح آپ کو کبھی مایوس نہیں کرے گا۔"

"اچھا ہوا جو تم نے مجھے دانش کی صلاحیتوں سے آگاہ کر دیا۔ شاید زندگی کے کسی موڑ پر مجھے اس کی ضرورت بھی درپیش آ جائے۔"

"ایک بات کہوں باس۔"

"کہو۔"

"آپ نے کومل ورما کو شکار کھیل کر اچھا نہیں کیا۔" ٹونی نے کہا پھر بڑی حقارت سے بولا۔ "یہ بلیک میجک کرنے والے لوگ ایک نمبر کے باسٹرڈ ہوتے ہیں موت اور زندگی کی حقیقت ان کے لیے کیڑے کی طرح ہوتی ہے جب چاہا۔ جسے چاہا گردن مروڑ کر زندگی سے آزاد کر دیا۔ میری مثال آپ کے سامنے ہے۔ دانش نے مجھے ان حالات کی تفصیل بتائی ہے جو ہوش میں ہونے کے بعد سوچ بھی نہیں سکتا لیکن شاید اس وقت میرے مائنڈ کو بھی ناکارہ کر دیا گیا تھا۔"

"اسی لیے تو میں نے تمہارا قرض چکتا کر دیا اور میں نے جو کچھ کیا اس پر مجھے ذرا بھی پچھتاوا نہیں ہے۔ اس لیے کہ دامن جل جانے کی فکر کرنے والے خود کو آگ کی لپیٹ سے کبھی نہیں بچا سکتے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے باس لیکن کسی طرح وہ آپ کو بھی۔"

"نہیں۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "وہ میرے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے اگر وہ ایسا کرنے کے قابل ہوتے تو شاید اب تک سیکڑوں بار مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے موت کی نیند سلا چکے ہوتے۔"

"میں سمجھا نہیں باس۔" ٹونی نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ آپ کے خلاف کوئی قدم کیوں نہیں اٹھا سکتے۔"

"سوری ٹونی۔ فی الحال میں تمہیں اس سے زیادہ کچھ اور نہیں بتا سکتا۔"

ٹونی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عجیب نظروں سے مجھے دیکھتا رہا پھر اسی وقت ایک نرس نے داخل ہو کر کہا۔

"سر۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کچھ دیر کے لیے باہر چلے جائیں۔" وہ پیشہ ورانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"کیوں۔ کیا آپ کو مریض سے کوئی پرائیویٹ بات کرنی ہے۔" میں نے ازراہ تفنن پوچھا۔

"جی نہیں۔ فی الحال تو صرف ان کی تیمارداری کا عمل جاری ہے۔" اس نے برجستہ کہا پھر جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے مریض کو اسپنج باتھ دینا ہے۔ آپ کو دس پندرہ منٹ کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔"

"میں پھر کسی وقت آؤں گا ٹونی۔ تم کسی بات کی فکر نہ کرو، بس ایک بات کا خیال رکھنا۔"

"وہ کیا باس۔"

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے تم صحت مند ہو کر اپنے عہدے کا چارج سنبھال لو تاکہ میں مکمل آزادی کے ساتھ دوسرے کام

aazzamm@yahoo.com

انجام دے سکوں۔"

"مے گاڈ بلیس یو سر" (MAY GOD BLESS YOU) ٹونی کی آنکھیں پھر اظہار عقیدت کی خاطر نمناک ہونے لگیں تو میں نے مسکرا کر اسے وش کیا اور کمرے سے باہر آ گیا جہاں دانش اور دوانی کے علاوہ دو تین ورکر اور بھی موجود تھے۔

اس روز میں نے دانش کو پہلی بار بہت توجہ سے دیکھا وہ بلاشبہ بڑے مضبوط اعصاب کا مالک نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بالکل ویسی ہی چمک تھی جیسی کسی چیتے کی نگاہوں میں اس وقت ابھرتی ہے جب وہ اپنے شکار کی تلاش میں جنگل میں دبے قدموں آگے بڑھ رہا ہوتا ہے۔

"مسٹر دانش۔" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں میری طرف سے پروموشن مبارک ہو۔"

"مجھے خوشی ہے سر، لیکن اصلی خوشی اس دن ہوگی جس دن ٹونی کو صحت مند ہونے کی نوید دے کر ہسپتال سے گھر جانے کی اجازت دے گی۔"

"ٹونی تمہیں بہت عزیز ہے؟"

"اپنی زندگی سے بھی زیادہ۔" دانش نے بڑے وثوق اور بانکپن سے جواب دیا۔ "ماسٹر ٹونی کے میرے اوپر بے شمار احسانات ہیں سر۔ شاید میں اپنی جان دے کر بھی ان احسانوں کا بدلہ نہ چکا سکوں گا۔"

"ٹونی نے آج پہلی بار مجھے تمہارے بارے میں کھل کر کچھ بتایا ہے۔" میں ایک مخصوص انداز میں مسکرایا۔ "میں تمہارا نام یاد رکھوں گا۔"

"شکریہ سر۔" دانش کے جواب میں بھی ایسا ہی اعتماد موجود تھا جیسے وہ مجھے یہ باور کرانا چاہتا ہو کہ اگر میں نے اسے خطرناک سے خطرناک کام کا بھی موقع دیا تو وہ مجھے مایوس نہیں کرے گا۔

میں نے دانش اور دوسرے لوگوں سے ہاتھ ملایا پھر ہسپتال سے باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دوانی میرے ساتھ ہی تھا۔

"آپ نے ٹونی والا لیٹر اسے دے دیا۔" دوانی نے پوچھا۔

"ہاں۔ کیوں؟"

"میرا پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ کیا ٹونی نے ہمارے خلوص کو اپنی خدمات کا بدل تو نہیں سمجھا۔"

"آپ کا اندازہ درست تھا۔" میں نے کہا۔ "لیٹر دیکھ کر ٹونی کے چہرے پر ایسے تاثرات ابھرے تھے جیسے ہم اس پر رحم کھا رہے ہوں لیکن میں نے اسے باتوں سے مطمئن کر دیا۔" میں نے تھوڑے توقف کے بعد اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "شاید یہ اقدامات مجھے بہت پہلے کر لینے چاہیے تھے جو میں اب کر رہا ہوں۔ ٹونی کے ذمے داریاں سنبھال لینے کے بعد میں اپنے کام پر آسانی کر سکتا تھا۔"

"مجھے سارے آؤٹ ڈور اور ان ڈور ملازموں کے ہوتے ہوئے آپ خود کوئی کام انجام دیں۔ یہ عجیب سا لگتا ہے۔" دوانی نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "اگر کوئی ضروری کام ہو تو مجھے حکم دیں۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں بھی آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"میں جانتا ہوں مسٹر دوانی، لیکن کچھ کام اتنے اہم اور ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں کہ انہیں کسی اور کو نہیں سونپا جا سکتا لیکن اس کے باوجود اگر ضرورت پیش آئی تو آپ ہی لوگوں سے ہاتھ بٹانے کی درخواست کروں گا۔"

دوانی سے کاروباری گفتگو کرتے ہوئے میں دفتر پہنچا تو عارفہ نے بتایا کہ میری غیر موجودگی میں بے شکر پانڈے کے میرے لیے دو تین فون آ چکے ہیں۔ انہیں کوئی اہم کام ہے۔ میں نے عارفہ سے کہا کہ وہ بے شکر پانڈے سے میرا رابطہ کرا دے۔ دو منٹ بعد ہی میں پانڈے سے ہم کلام تھا۔

"آپ کہیں گئے تھے شاید؟"

"جی ہاں۔" میں نے کہا "ٹونی کی صحت کے بارے میں معلوم کرنے کی خاطر ہسپتال گیا تھا۔ ویسے مجھے میری سیکرٹری نے بتایا ہے کہ آپ دو تین بار مجھے کال کر چکے ہیں۔ کوئی خاص بات۔"

"مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" پانڈے نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "آپ ابھی دفتر میں کتنی دیر ہوں گے۔ دراصل میں آپ سے وہ باتیں آمنے سامنے بیٹھ کر کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس کے لیے آپ کیوں زحمت کرتے ہیں، میں آ جاتا ہوں آپ کی طرف۔"

"بڑی کرپا آپ کی، لیکن یہ میری اچھا (خواہش) ہے کہ میں آپ کے دفتر میں بیٹھ کر باتیں کروں۔"

"میں اسے اپنے لیے اعزاز سمجھوں گا۔"

"میرا انتظار کیجئے گا پلیز۔ میں آدھے گھنٹے کے اندر اندر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔"

پھر آدھے گھنٹے بعد ہی بے شکر پانڈے میرے دفتر میں موجود تھا۔ میں نے پہلے ہی سے عارفہ اور دیگر افراد کو ہدایت کر دی تھی کہ کسی بہت ہی اہم کام کے علاوہ ہمیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ پانڈے نے کمرے میں قدم رکھا تو میں نے بڑی گرم جوشی سے آگے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ پانڈے اس وقت کچھ سہما سہما اور خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے کافی کا آرڈر دیا پھر کافی سرو ہونے کے بعد میں نے پانڈے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو آپ اس وقت کسی بات کی وجہ سے بری طرح نروس ہیں۔"

"آپ کا اندازہ صحیح ہے۔" پانڈے نے مردہ سی آواز میں جواب دیا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "کچھ میں نہیں آ رہا کہ کہاں سے شروع کروں۔"

پانڈے کی باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ یقیناً کوئی بہت اہم اور خاص بات ہوگی جو اس نے فون پر کرنے سے گریز کیا تھا۔ حالانکہ تو تمیں میرے تعاقب میں تھیں، چنانچہ میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر دل ہی دل میں آیت الکرسی پڑھ کر اشارے سے حصار کھینچا پھر بولا۔

"پانڈے جی۔ آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔"

"آپ پر وشواس نہ ہوتا تو یہاں تک کیوں چلا آتا لیکن۔"

"آپ کھل کر کہیں۔ یہاں دنیا کی کوئی قوت آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ میں نے کچھ پڑھ کر پھونک دیا ہے۔ جس کے بعد کالی اور گندی قوتیں بھی ہمارے قریب نہ آ سکیں گی۔"

"میں نے آپ کے حریر سراج صاحب کو وچن دیا تھا کہ اگر کوئی ان ہونی بات پیش آئی تو انہیں ضرور اطلاع دوں گا۔" پانڈے نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پر تو میرا من کہتا ہے کہ پہلے آپ سے بات کر لوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔"

"بات کیا ہے؟"

"بات عجیب بات ہے۔ میرا ماتھا تو کام نہیں کر رہا۔"

"کوئی مشکل درپیش آ گئی ہو تو میں ہر طرح آپ کی سیوا کرنے پر تیار ہوں۔"

"نہیں۔ ایسی بات ہوتی تو میں فون پر بھی آپ سے کہہ سکتا تھا۔"

"پھر؟"

"آپ شاید میری بات پر وشواس نہ کریں گے لیکن میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں کہ کول وِرما دو گھنٹے پہلے میرے دفتر میں میرے سامنے زندہ موجود تھی۔"

"نہیں۔" میں چونک اٹھا پھر اپنے دل کی تیز ہوتی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "لیکن سراج نے مجھے بتایا تھا کہ جس رات کول ورما کو قتل کیا گیا تھا اس رات آپ بھی وہاں موجود تھے۔"

"یہی تو تعجب کی بات ہے۔" پانڈے نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "کیا آپ وشواس کریں گے کہ قتل ہونے والی رات بھی کول ورما ہی نے مجھے ایک ضروری کام سے گھر آنے کی بنتی کی تھی لیکن جب میں وہاں پہنچا تو سراج صاحب وہاں پہلے سے موجود تھے۔"

"کیا آپ نے سراج کو یہ بتایا تھا کہ کول ورما نے آپ کو گھر آنے کو کہا تھا؟"

"نہیں۔" پانڈے نے بدستور سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "وہاں کچھ پوزیشن ہی ایسی تھی کہ میں نے کول ورما کے فون کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"اس رات کول ورما کی لاش آپ کی موجودگی ہی میں پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کر دی گئی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"پھر کول ورما کی آپ کے دفتر میں موجودگی کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ موہنی کی پلید آتما ہو جس نے مرنے والی کے شریر پر قبضہ جما لیا ہو بہرحال اس نے مجھ سے کول ورما کی حیثیت سے بات کی تھی۔"

"کوئی اہم بات۔"

"ہاں۔ اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ جس لڑکی کا مرڈر ہوا ہے وہ اس کی جڑواں بہن موہنی تھی۔"

"خود کول ورما کہاں تھی؟ اس سلسلے میں اس کا کیا بیان ہے۔"

"اس کا بیان ہے کہ چونکہ اگلے دن چھٹی تھی اس لیے وہ اپنی موسی سے ملنے ایک قریبی شہر گئی ہوئی تھی۔"

"لیکن اس نے کول ورما کی جڑواں بہن ہونے کے باوجود اس کے کریا کرم میں کوئی حصہ نہیں لیا آخر کیوں؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"یہی بات میں نے اس سے پوچھی تھی۔" پانڈے نے تیوری سے جواب دیا۔ "اس کا کہنا ہے کہ موہنی نے اپنے لیے جو راستہ چنا تھا وہ اتنا گندہ تھا کہ وہ اسے اپنی بہن کہتے ہوئے شرم آتی تھی۔"

"پھر اب وہ سامنے کیوں آئی؟ میرا مطلب ہے کہ اس طرح سامنے آ جانے کے بعد تو قانون پولیس کی کمال تلاشنے کی کوشش ضرور کرے گا۔"

"اس کا جواب بھی میرے پوچھے بغیر ہی اس نے دیا تھا۔ وہ کول ورما ہو یا موہنی لیکن اس کا کہنا یہی ہے کہ مرنے سے پہلے اس کی بہن نے اپنی تمام تعلق اسے دان کر دی تھی اور اب۔" پانڈے نے ایک بار پھر کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "اب وہ سامنے ہوتے ہوئے بھی کیول اسی کو نظر آ سکے گی۔ جسے وہ چاہے گی۔"

"پھر تو اسے آپ کے پاس آتے اور جاتے ہوئے بھی کسی اور نے نہ دیکھا ہوگا۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے پانڈے کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا لیکن کوئی ایسی علامت تلاش نہیں کر سکا جس کی بنیاد پر اس کی کہانی کو من گھڑت کہا جا سکتا۔ دوسری صورت میں بھی اگر وہ کول ورما یا موہنی سے ملا ہوا تھا تو اس طرح کھل کر مجھ سے ان باتوں کو نہیں کہنا چاہیے تھا مگر یہ بھی ممکن تھا کہ پانڈے نے کول ورما کے اشارے پر ہی مجھ سے

aazzamm@yahoo.com

ملاقات کر کے ایک ناقابل یقین داستان سنانے کی زحمت گوارا کی ہو۔ ابھی میں اسی قصے میں گرفتار تھا کہ ایک آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"یہ شخص پانڈے جو کہہ رہا ہے وہ غلط نہیں ہے۔" وہ آواز بڑی خوبصورت اور جان دار تھی۔ میں نے اس سے پہلے وہ آواز کبھی نہیں سنی تھی۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔" پانڈے نے میری بات کا جواب دیا۔ "میں نے اس کی تصدیق اپنے ملازموں سے کی لیکن ان کا کہنا ہے وہاں کوئی بھی نہیں آیا۔"

"کیا آپ نے پوچھ گچھ کے دوران کومل ورما کا ذکر کیا تھا؟"

"نہیں۔"

"اچھا کیا۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بھی اس بارے میں کسی اور سے کوئی ذکر نہ کیجیے گا۔ سراج سے بھی نہیں۔ وہ ایک اچھا دوست ہے لیکن قانونی معاملات میں کسی کے ساتھ رعایت کرنا اس کے اصول کے خلاف ہے۔"

"پھر آپ ہی بتایئے۔" پانڈے نے بڑی بے چارگی سے پوچھا۔ "میں کیا کروں۔"

"کومل ورما نے آپ سے کس مقصد کے تحت ملاقات کی تھی۔"

"اس کا کہنا ہے کہ اس کی سیٹ پر کسی اور کا اپوائنٹ منٹ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بدستور اپنا کام کرتی رہے گی اور اسے میرے علاوہ کوئی دیکھ بھی نہیں سکے گا۔" پانڈے نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "بھلا آپ ہی سوچیں۔ کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔"

"ہم جس دنیا میں سانس لے رہے ہیں وہاں کسی بات کو بھی ناممکن نہیں کہا جا سکتا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کل تک ہم جن باتوں پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے وہ آج کھلے عام ہمارے سامنے ہیں۔ اسی طرح آج ہم جن باتوں کو ناممکن سمجھ رہے ہیں وہ کل ممکن بھی ہو سکتی ہیں بلکہ مغربی ممالک میں تو اس قسم کے واقعات کا چرچا عام ہے اور آئے دن اخبارات میں اسی قسم کی خبریں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔"

"یہ... آپ کہہ رہے ہیں۔" پانڈے نے اس طرح غور سے مجھے دیکھا جیسے اسے اس وقت میرے کچھ الفاظ ہونے پر شبہ ہو رہا ہو۔

"جی ہاں۔ میں یہ کہہ رہا ہوں اور اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس قسم کی ناقابل یقین باتیں میرے ساتھ بارہا پیش آ چکی ہیں۔" میں نے بڑے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ موہنی یا کومل ورما بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہوں۔"

"اگر ایسا ہے تو وہ یقیناً ہماری باتیں بھی سن سکتی ہیں۔" پانڈے کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا۔ "اس وقت بھی شاید وہ ہماری گفتگو۔"

"نہیں۔" میں نے پورے وثوق سے کہا۔ "اس وقت میں نے اپنی مقدس کتاب قرآن شریف کی ایک آیت پڑھ کر ایک حصار اس کمرے کے اطراف کھینچ دیا تھا جس کے اندر کوئی طاقت بھی داخل نہیں ہو سکتی۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے۔" پانڈے نے پوچھا۔

"فی الحال کومل ورما یا موہنی جس طرح کہہ رہی ہے اسی طرح کریں۔ میں سوچوں گا کہ بعد میں اس سلسلے میں کیا قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن اس بات کا خاص خیال رہے کہ آپ اس بات کا ذکر کسی اور سے نہیں کریں گے ورنہ وہ کوئی مخلوق آپ کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

پانڈے کچھ دیر بات کرنے کے بعد چلا گیا اور میں اس آواز کے بارے میں سوچنے لگا جس نے پانڈے کی داستان کی تائید کی تھی۔ وہ میرا وہم نہیں تھا۔ میں نے بڑے واضح طور پر اسے سنا تھا۔ لیکن وہ آواز کس کی تھی؟

"حیران مت ہو میرے عزیز۔" وہی آواز پھر سنائی دی۔ "تمہاری طرح میں بھی خدا کی پیدا کردہ ایک مخلوق ہوں' مجھے تمہاری حفاظت اور مدد کرنے کا حکم ملا ہے' لیکن خاص خاص صورتوں اور حالات میں۔"

"مگر تم کوئی مخلوق ہو تو تمہارا کوئی نام بھی ضرور ہو گا۔" میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔ "مجھے اپنا نام بتا دو تاکہ میں مصیبت کے وقت تمہیں آواز دے سکوں۔"

"نہیں' مجھے اس کی اجازت نہیں ملی۔"

"کومل ورما اور موہنی کی پشت پر کس کی طاقت کام کر رہی ہے۔" میں نے تیزی سے سوال کیا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ شاید وہ مخلوق جنات کے کسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی جسے کسی پوش' نیلی وردی والے بزرگ نے میری حفاظت پر مامور کیا تھا۔ وقت کی گردش کے ساتھ ساتھ اب مجھے اپنے اندر ایک نئی قوت ابھرنے کا احساس بھی ہو رہا تھا۔"

+

شام کو میں دفتر سے اٹھنے کی تیاری کر رہا تھا کہ سراج آ گیا۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکرات کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ مجھ سے ہاتھ ملانے کے بعد وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ انداز ایسا تھا جیسے کوئی لمبی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

"کیا بات ہے مسٹر سراج' آپ کچھ الجھے الجھے سے آ رہے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"ہاں' کچھ ایسی ہی بات ہے۔ دراصل دوپہر کی ڈاک میں مجھے ایک ٹیپ کا پارسل ملا ہے۔"

"ٹیپ کا پارسل؟" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔ "بھلا کسی کو پارسل کرنے کی کیا تک ہے۔ یقیناً کسی نے آپ کے ساتھ مذاق کیا ہو گا۔"

"وہ ٹیپ مجھے گردھاری نامی ایک غنڈے کی طرف سے ملا ہے جو پولیس کو متعدد ڈکیتی اور اغوا کی وارداتوں میں مطلوب ہے۔"

"کیا پارسل پر بھیجنے والے کا نام اور پتا درج نہیں تھا۔" میں نے انجان بنتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اس وقت اسی پتے پر تفتیش کرنے کے بعد آ رہا ہوں۔" سراج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میرے نتیجے کے مطابق وہ ایک فرضی پتا تھا۔ جس مکان کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں ایک ریٹائرڈ پروفیسر رہتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ پھر نام بھی غلط ہو۔" میں نے اپنی تمام تر اداکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا نام بتایا تھا آپ نے اس بدمعاش کا۔"

"گردھاری۔"

"ٹیپ میں کیا کام کی چیز موجود ہے۔"

"وہ ٹیپ کومل ورما کے پراسرار قتل کو بے نقاب کرنے کے لیے ایک اہم ثبوت ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس میں گردھاری اور کومل ورما کے وہ مکالمے موجود ہیں جو کومل ورما کے قتل سے پیشتر ان کے درمیان بولے گئے تھے۔" سراج نے کہا۔ "غالباً" جس زمانے میں وہ ماڈلنگ کرتی تھی گردھاری نے اسے اپنی داشتہ بنانے کی کوشش کی تھی جسے کومل ورما نے سختی سے رد کر دیا تھا۔ گردھاری چونکہ پولیس کو مطلوب تھا اس لیے اس نے فوری کارروائی سے گریز کیا اور اب موقع ملتے ہی کومل ورما کو ٹھکانے لگا دیا۔ ٹیپ میں گردھاری اور کومل ورما کے درمیان ہونے والی گفتگو موجود ہے۔"

"ون منٹ مسٹر سراج۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ اس طرح گردھاری کے نام پر کسی اور نے پولیس کی توجہ اصل مقصد سے ہٹانے کی خاطر کوشش کی ہو۔"

"لیکن خاص طور پر گردھاری ہی کا نام کیوں استعمال کیا گیا۔" سراج نے سوال کیا۔

"محض اس لیے کہ وہ پولیس کو مطلوب ہو۔" میں نے جواب دیا پھر تیزی سے پوچھا۔ "کیا آپ کے ریکارڈز پر گردھاری کی آواز کا کوئی ٹیپ موجود ہے۔"

"جی نہیں۔" سراج نے قدرے جھکتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"پھر؟ آپ کس طرح ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ آواز گردھاری کی ہے۔" میں نے کسی ماہر وکیل کی طرح جرح کی۔ "ہو سکتا ہے کہ کومل ورما کے قاتل یا قاتلوں نے اپنا سراغ مٹانے کے ساتھ ساتھ پولیس کو بھی غلط ٹریک پر ڈالنے کی کوشش کی ہو۔ ہاں' یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ قاتل کا تعلق بھی گردھاری کے گروہ سے رہا ہو جس نے اس کی آواز کی نقل کر کے پھانسی کا پھندہ اس کے گلے میں ڈلوانے کی سازش کی ہو۔ ویسے میرا خیال ہے کہ فنگر پرنٹس تو کسی کے مجرم یا بے گناہ ہونے کا قانونی ثبوت مانے جا سکتے ہیں لیکن محض آواز کی بولی ٹیپ پولیس کے لیے کارآمد ثابت نہیں ہو سکتی۔"

"اتنا قانون میں بھی جانتا ہوں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قاتل یا قاتلوں نے انتہائی ہوشیاری سے کومل ورما کو ٹھکانے لگا دیا تھا اور اپنے پیچھے کوئی ثبوت بھی نہیں چھوڑا تھا تو پھر گردھاری کا نام خاص طور پر درمیان میں لانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔"

"ہو سکتا ہے اسے گردھاری سے کوئی ذاتی پرخاش رہی ہو۔"

"بہرحال۔" سراج نے گردھاری کے نام کو ذہن سے نکالتے ہوئے کہا۔ "کومل ورما کی موت کے سلسلے میں اب موہنی کی قوت کو ذمے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

"کوئی خاص وجہ۔"

"قتل کے سلسلے میں جو شواہد سامنے آئے ہیں اور جو طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا وہ کسی ماورائی قوت کی ذہنی اختراع نہیں ہو سکتی۔" سراج نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اب اس ٹیپ کا پارسل ملنے کے بعد......"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے مجھے بتایا تھا کہ کومل ورما کے قتل ہونے کی اطلاع بھی آپ کو موہنی کے فون کال سے ہوئی تھی۔" میں نے دوسرا رخ اختیار کیا۔

"جی ہاں۔"

"آپ جانتے ہیں مسٹر سراج کہ وہ میرے ساتھ دشمنی پر کمربستہ ہے۔" میں نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اس صورت میں وہ موہنی کے قتل کا الزام بھی میرے سر تھوپ سکتی تھی پھر گردھاری کا نام درمیان میں کس طرح آ گیا؟"

"اگر میں آپ کی باتوں کو تسلیم کر لوں تو پھر پارسل کے ذریعے موصول ہونے والے ٹیپ کو کس خانے میں فٹ کیا جائے گا۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا لیکن اسی وقت ڈائرکٹ لائن والے فون کی گھنٹی بجی اور میں نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔

"تم واقعی ایک کامیاب اداکار بھی ہو شری شہباز خان۔" دوسری جانب سے موہنی کی آواز ابھری۔ "گردھاری کا نام درمیان میں لا کر تم نے سراج کو اچھا دھوکا دیا ہے لیکن میں چاہوں تو اب بھی تمہیں کومل ورما کے قاتل ہونے کے جرم میں پھنسوا سکتی ہوں۔ ایک نہیں بلکہ ہزاروں ثبوت تمہارے خلاف پیش کیے جا سکتے ہیں۔ تم خود اس قتل کا اعتراف بھی کرو گے۔"

aazzamm@yahoo.com

پہلی محبت کے آنسو

★ اے حمید

کیا سچی محبت کرنے والے مرنے کے بعد بھی ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں؟ اس نے کہا تھا کہ میں موت کے بعد بھی تمہارا انتظار کروں گا۔ تم موت کے دروازے سے گزر کر ہمیشہ کے لئے میرے پاس آجاؤ گی۔ دونوں ایک دوسرے کو جنون کی حد تک محبت کرتے تھے---- دونوں ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے' لیکن ان کے درمیان زندگی کا سمندر حائل تھا۔

سچی اور پاکیزہ محبت کی ایک انوکھی داستان جسے اے حمید کے رومان پرور قلم نے لکھا۔

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار - لاہور 2 قیمت -/250 روپے

Scanned By Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

"پھر دیر کس بات کی ہے بے بی۔" میں نے بے پروائی سے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے جواب دیا۔ "مسٹر سراج اس وقت میرے سامنے ہی ہیں۔ تم کو میری طرف سے پوری اجازت ہے زہر اگلنے کی لیکن ایک بات میری بھی دھیان سے سن لو۔ تم کیا اگر تمہارے جیسی ہزاروں گندی قوتیں بھی آپس میں گٹھ جوڑ کر لیں تو بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔"

"یہ بھی تمہاری بھول ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "ہم نے اس چھپا کا بھید پا لیا ہے جو تمہاری رکھشا کر رہی ہے۔ ہماری مہان قوتیں بہت جلد اس جال کو کاٹ ڈالیں گی جس نے تمہیں بچا رکھا ہے۔"

"کس کا فون ہے۔" سراج نے پوچھتے ہوئے سوال کیا لیکن میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے موہنی کو تیکھے لہجے میں جواب دیا۔

"اگر تمہیں اپنے دیوی دیوتاؤں پر اتنا ہی گھمنڈ اور مان ہے تو پھر تم چوہوں کی طرح چھپ کر کیوں وار کر رہی ہو۔ کھل کر سامنے آؤ تاکہ اس بات کا فیصلہ بھی ہو جائے کہ کون بلوان ہے اور کون کمزور (نربل)۔"

"چنتا مت کرو' تمہاری یہ اچھا بھی بہت جلد پوری ہوگی۔" موہنی نے اس بار بڑے سرد اور سفاک لہجے میں کہا۔ "میرا ایک اشارہ ہی بہت ہو گا۔ تمہارا کوئی اپنا آدمی بھی تمہیں گولی مار کر ختم کر سکتا ہے' لیکن نہیں میں تمہیں اتنی آسانی سے نہیں ماروں گی۔ چوہے اور بلی کا کھیل دیکھا ہے کبھی؟ میں تم سے اور تمہاری بے بسی سے اسی طرح کھیلوں گی پھر جب من بھر جائے گا تو تمہیں کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا دوں گی۔"

"تم شاید مجھے ہنسانے کی کوشش کر رہی ہو۔" میں نے شرارت سے جواب دیا۔

"ایک دو مرتبہ اور جی کھول کر ہنس لو پھر تمہیں رونا بھی پڑے گا۔"

"شٹ اپ۔"

"زیادہ اونچے سروں میں بولنا چھوڑ دو بالک' تم ابھی نادان ہو۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ "فون ذرا سراج کے حوالے کر دو۔ مجھے انہیں تمہارے سلسلے میں ایک خاص اطلاع دینی ہے' جس کے بعد تم سچ مچ رونے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

میں نے خاموشی سے فون سراج کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "موہنی لائن پر موجود ہے۔"

"ہیلو' ای' ایس' پی سراج اسپیکنگ۔" سراج نے ریسیور ہاتھ میں لے کر خاصی رعب دار آواز میں کہا لیکن دوسری جانب سے جو کچھ کہا گیا اسے سن کر اس کے چہرے کا کھچاؤ ہر لحظہ کم ہوتا گیا پھر کچھ دیر بعد اس نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے میری سمت غور سے دیکھا۔ "آپ کے لیے ایک بری خبر ہے۔"

"کیا مطلب۔" میں چونکا۔

"آپ کے تمام گوداموں میں آگ لگ گئی ہے۔ شہر کے دو تین فائر اسٹیشن کے عملے کے افراد آگ پر قابو پانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ابھی تک انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اٹھ کر تیزی سے باہر کی سمت لپکا۔ سراج نے بھی برق رفتاری سے میری پیروی کی تھی۔

◆

گوداموں کے پورے احاطے میں ہر طرف آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ علاقہ سڑک سے ہٹ کر دور واقع تھا لیکن پھر بھی وہاں ابھی خاصی بھیڑ اکٹھی ہو چکی تھی۔ اس میں میرے عملے کے افراد کی تعداد بھی شامل تھی لیکن اکثریت ان تماشائیوں کی تھی جو میری تباہی کا تماشا دیکھنے کے لیے وہاں اکٹھا ہو رہے تھے۔ متعلقہ تھانے کی پولیس اور دوسرے کارندے بھی ہجوم میں شامل تھے لیکن وہ بھی بے بس نظر آ رہے تھے البتہ فائر بریگیڈ کے عملے کے کارندے پوری جانفشانی کے ساتھ آگ پر قابو پانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کر رہے تھے۔ سراج پولیس والوں سے واقعے کی تفصیل دریافت کرنے کی خاطر ان کی طرف چلا گیا۔ ہجوم اتنا زیادہ بڑھ چکا تھا کہ میرا آگے بڑھنا دشوار ہو رہا تھا۔ مجھے ان لوگوں کی بے حسی پر شدید غصہ آ رہا تھا جنہوں نے اپنی گاڑیاں بے ترتیب طریقے سے باہر میدان میں پارک کر دی تھیں اور خود قریب سے قریب تر ہو کر آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو محض ایک تماش بین کی حیثیت سے دیکھنے کی خاطر ایک دوسرے سے زور آزمائی کر رہے تھے۔ اتنے بے حس اور خود غرض تھے وہ لوگ جو دوسرے کے نقصان پر قہقہے لگانے اور دلچسپی کا تماشا دیکھنے کی خاطر رک گئے تھے۔ کسی کا گھر اجڑ رہا تھا اور اس کی مدد کرنے کے بجائے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ شاید ان کے دل' دل نہیں بلکہ پتھر بن چکے تھے۔ اپنے جسم پر ایک خراش آ جائے تو انسان تڑپ اٹھتا ہے۔ اس کا موثر علاج کرانے میں بھی دیر نہیں کرتا لیکن یہاں دوسرا معاملہ تھا۔ نقصان ان کو نہیں میری ذات کو پہنچا تھا۔ ان کا کام تو صرف دور رہ کر تماشا دیکھنا تھا۔

شہر میں آئے دن کھیلی جانے والی خون کی ہولی ہنگامے اور ہنگاموں میں ان گنت جانوں کا زیاں ان کے لیے روز مرہ کا معمول بن گیا تھا۔ وہ گھر سے سر پر کفن باندھ کر باہر نکلنے کے عادی ہو چکے تھے۔ انہیں ہر پل یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ بس اچانک ہی تڑ تڑاتی ہوئی گولیوں کی آوازیں ابھریں گی۔ بھگدڑ مچے گی۔ جن کے مقدر میں موت لکھی ہے وہ گولیوں کی زد میں آ کر موت کا شکار ہو جائیں گے۔ کچھ زخمی ہو کر سڑک یا فٹ پاتھ پر خون میں لت پت

aazzamm@yahoo.com

پڑے ایڑیاں رگڑ رہے ہوں گے اور دوسرے اپنی جان بچانے کی خاطر ان زخمیوں کو پھلانگ پھلانگ کر اور روند روند کر کسی محفوظ پناہ گاہ میں سر چھپانے کی خاطر دیوانگی کا شکار نظر آ رہے ہوں گے۔ کچھ دیر کی چیخ و پکار کے بعد دوسرا برسٹ مارا جائے گا۔ فضا ایک بار پھر ان گولیوں کی آواز سن کر کانپ اٹھے گی۔ ان گنت لوگ موت کی نیند سو جائیں گے۔ کسی کا گھر اجڑ جائے گا کوئی باپ اور بھائی کی شفقت سے محروم ہو جائے گا۔ کوئی والدین کے سہارے اور کچھ معذور لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کا کمانے والا صرف ایک ہو گا۔ ان کے دکھ درد میں ساتھ آنے والا لیکن اس وقت ممکن ہے کہ وہ بھی بیچ سڑک پر دم توڑ رہا ہو۔

گولیوں کی زبان صرف گولیاں چلانے والے شقی القلب انسان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ گولیوں کی بوچھار رشتے ناتے' اپنے اور پرائے کی تمیز کھو بیٹھتی ہے۔ اس کا کام تو صرف ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ شہر کی پرسکون فضا میں دہشت گردی کے جراثیم پھیلانے والے درندوں کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کون جیا اور کون مرا' شاید انہیں زمین پر اتارا ہی اسی مقصد کے لیے گیا ہے کہ وہ دوسروں کے امن اور سکون کو برباد کرتے رہیں اور شہر میں سینہ تانے دندناتے پھریں اور حکومت کی جانب سے ہر دفعہ ایک ہی گھسا پٹا بیان جاری ہو کہ بدامنی پھیلانے والوں کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا۔

کچھ ایسی ہی کیفیت اس وقت گودام کے باہر نظر آ رہی تھی۔ جس میں آگ بجھانے والوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن اس تباہی کا تماشا دیکھنے والے بے پناہ لوگ موجود تھے۔ میں ابھی پوری طرح حالات کو سمجھ نہیں سکا تھا۔ گودام چونکہ کھلے میدان میں تھا اس لیے اس میں جابجا مختلف شیڈ بنے ہوئے تھے۔ ان شیڈ کو محفوظ رکھنے کی خاطر ان کے اطراف لوہے کی جالیاں موجود تھیں جو عام چار دیواری کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور پائیدار تھیں۔ ان میں صرف دو دروازے تھے۔ داخلی اور خارجی جہاں ہر وقت گارڈز تعینات رہتے تھے اور شناخت کے بغیر کسی کو اندر قدم نہیں رکھنے دیتے تھے لیکن میں جانتا تھا کہ 'بلیڈ' پراسرار کالی قوتوں کے لیے ان گارڈز کی موجودگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ آہستہ آہستہ واقعات کی ترتیب میرے ذہن میں ابھر رہی تھی۔

کومل ورما یا موہنی کا اغوا اور اس کام کو میرے لیے ماسٹر ٹونی نے انجام دیا تھا۔

پھر ماسٹر ٹونی کو اس کی سیدھی ٹانگ سے محروم کر دیا گیا۔

میں نے انتقام لینے کی خاطر کومل ورما کے خوبصورت جسم کو خاک میں ملا دیا۔

اور۔ اب اس کے جواب میں مجھے ایک بھاری نقصان سے دوچار کیا جا رہا تھا۔

مگر پہل میری جانب سے نہیں' دوسری جانب سے شروع ہوئی تھی۔ سب سے پہلے ان گندی قوتوں نے مجھے باپ کے سائے سے محروم کیا تھا۔ ان کا صرف ایک مطالبہ تھا کہ اپنے شہر کو چھوڑ کر کسی اور ملک میں جا کر پناہ لوں ورنہ مجھ پر زندگی کا حلقہ اتنا تنگ کر دیں گی کہ میں سانس بھی مشکل سے لے سکوں گا۔

موہنی اور لیڈی مکارنس دونوں نے مجھے حکم نہ ماننے کی صورت میں بھاری نقصان سے دوچار ہونے کی پیش گوئی کی تھی جس کی تکمیل میں اس وقت جاگتی آنکھوں سے گودام سے اٹھنے والے بھیانک شعلوں کی شکل میں دیکھ رہا تھا۔

اچانک میں نے دانش کو دیکھا جو بھیڑ چیرتا ہوا باہر نکل رہا تھا۔ پہلی نظر میں میں اسے پہچان نہیں سکا۔ اس کا چہرہ جھلس کر کالا پڑ چکا تھا۔ کپڑے بھی تار تار نظر آ رہے تھے۔ سر کے بالوں کا کچھ حصہ بھی جل گیا تھا۔ وہ بری طرح ہانپتا ہوا میری سمت بڑھ رہا تھا۔ میں لپک کر اس کے قریب چلا گیا۔

"دانش۔" میں نے اسے اپنے بازوؤں کا سہارا دیتے ہوئے آواز دی۔ "تم ٹھیک تو ہو؟"

"سر۔" وہ بڑی نحیف سی آواز میں بولا۔ "میں نے اپنی جانب سے کوئی غفلت نہیں برتی' آخری وقت تک آگ سے لڑتا رہا لیکن۔۔۔"

"یہ سب کچھ ہوا کس طرح؟"

"سر۔ میں اس وقت گودام نمبر چار میں ہی تھا جب وہی خوبصورت ناگن مجھے وہاں نظر آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں شاید کوئی بم وغیرہ قسم کی چیز تھی۔" دانش کا سانس بے ترتیب ہو رہا تھا۔ کچھ توقف سے بولا۔ "اس نے مجھ سے کہا بھی تھا کہ اگر زندگی عزیز ہے تو گودام کے احاطے سے باہر نکل جاؤ۔ آپ یقین کریں سر میں آپ کا نمک خوار ہوں۔ میں نے اس چیلنج کا جواب دینے کے بجائے اس کے منہ پر تھوک دیا تھا اور پھر۔ پھر جیسے قیامت آ گئی۔ اس خوبصورت ناگن نے بم نما وہ شے ایک جانب اچھال دی۔ ایک ہولناک دھماکہ ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا گودام آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہ خوبصورت ناگن فلک شگاف قہقہے لگا رہی تھی پھر یکے بعد دیگرے کئی ہولناک دھماکوں کی آوازیں میرے کان میں گونجیں۔ میں نے تیزی سے باہر نکل کر دیکھا تو ہر طرف آگ کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ میرے ساتھیوں کی چیخ و پکار حشر کا سماں پیش کر رہی تھی۔ ہر کوئی اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔ وہ باہر نکلنے کی خاطر داخلی اور خارجی دروازوں کی جانب سرپٹ دوڑے جا رہے تھے لیکن میں نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی سر مجھے فوری طور پر فائر بریگیڈ کو اس جانب [illegible] تھی۔ میں آگ کے درمیان سے گزر کر آفس شیڈ میں گیا [illegible] زیادہ تر فون خراب ہو [illegible] اتفاق ہے

گیارہ نمبر شیڈ کا فون میرے کام آ گیا۔ اسی فون کے ذریعے میں نے فائر بریگیڈ کو صورت حال سے آگاہ کیا پھر میں بھی دوسروں کی طرح باہر کی سمت بھاگا لیکن اس وقت یہاں لوگوں کی اتنی بھیڑ اکٹھا ہو چکی تھی کہ باہر نکلنا دشوار ہو رہا تھا۔ بڑی مشکلوں سے آدمیوں کے اس سمندر کو چیرتا ہوا باہر نکل سکا ہوں۔ اچھا ہوا جو آپ مل گئے ورنہ۔۔۔۔"

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "تمہیں فوری طور پر طبی امداد کی ضرورت ہے۔"

"تو سر۔" دانش کچھ عجیب امید و بیم کی کیفیت میں بولا۔ "آپ آ گئے یہی میرے لیے بہت ہے۔"

"دانش۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "کیا تم اس عورت کا حلیہ دہرا سکتے ہو جو ہماری بربادی کا سبب بنی تھی۔"

"وہ۔ وہ موہنی یا کومل ورما ہی تھی سر۔"

"تم نے یہ نام کہاں سے سنے؟"

"ماسٹر ٹونی نے بتائے تھے۔" دانش نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ "ماسٹر ٹونی نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ کو ہر قیمت پر جان پر کھیل کر بچانے کی کوشش کروں۔ اس نے مجھے بہت بڑی قسم دی تھی سر۔"

میری آنکھوں میں عقیدت سے آنسو آ گئے۔ میرے ورکر مجھ سے اتنا پیار کرتے تھے۔ ٹونی کے بیکار ہونے کے بعد اب دانش نے اسی کی جگہ سنبھال لی تھی۔ میں نے فوری طور پر ایک دوسری گاڑی کے ذریعے دانش اور دوسرے ایسے تمام ورکرز کو جن کو فوری طبی امداد کی ضرورت تھی ہسپتال بھیجنے کا ناخوشگوار فرض ادا کیا۔ اسی اثنا میں سراج نے دوبارہ میرے پاس آتے ہوئے کہا۔

"میں فائر آفیسر سے مل کر آ رہا ہوں۔ اس کا خیال ہے کہ گودام کے اندر چونکہ رنگ روغن اور دوسرے کیمیکل موجود تھے اس لیے آگ نے بڑی تیزی سے گودام کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے لیکن وہ مایوس نہیں ہے۔ اس کا خیال ہے آج رات تک آگ پر پوری طرح قابو پا لیا جائے گا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے سپاٹ اور خشک لہجے میں کہا۔ "جو آگ لگتی ہے وہ جلدی یا دیر میں بہرحال بجھ ہی جاتی ہے۔"

"آپ کا شبہ کس کی طرف ہے۔" سراج نے تھوڑے توقف کے بعد پوچھا۔

"شارٹ سرکٹ۔" میں نے زہر خند سے جواب دیا۔ "پولیس کے لیے کاغذات کی خانہ پری کے لیے یہی ایک جواز زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔"

"میرا خیال ہے آپ اس وقت بہت زیادہ جذباتی ہو رہے ہیں۔"

"آپ کا کیا مشورہ ہے۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اتنے بڑے نقصان پر کھڑے ہو کر قہقہہ لگانا شروع کر دوں۔"

"پلیز مسٹر شہباز۔ کام یور سلف ڈاؤن (CALM YOUR SELF DON)" سراج نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "مجھے آپ کو ہونے والے نقصان کا اندازہ ہے اور میں یہ بھی سمجھ سکتا ہوں کہ اس کے پیچھے کس کی نادیدہ قوت کام کر رہی ہے۔"

"کس کی؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"موہنی کی۔" سراج نے بلا کسی جھجک جواب دیا۔ "کومل ورما کی موت کے بعد یہ انتقامی کارروائی وہی کر سکتی ہے۔"

"ممکن ہے۔" میں نے شانے اچکاتے ہوئے کہا پھر دانش کے ایک ماتحت کو بلا کر ہدایت کی وہ آگ بجھ جانے تک وہیں رکے۔"

میں ضروری ہدایت دینے کے بعد واپسی کے ارادے سے مڑا ہی تھا کہ اچانک موہنی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"کہو کیسی رہی شہباز خان؟" کیا تم اب بھی مجھ سے پنجہ لڑانے کی کوشش کرو گے۔"

"پنجے ہواؤں سے نہیں لڑایا جاتا' اگر تم واقعی کسی ناقابل شکست قوت کا کوئی روپ ہو تو کھل کر سامنے آؤ۔ میں تم سے پنجہ لڑانے سے دریغ نہیں کروں گا۔"

"بالکوں کی طرح ضد نہ کرو۔ اب بھی میرا کہا مان لو اور اپنی ماتا کو لے کر ہماری اس پوتر دھرتی سے کسی اور ملک کی طرف نکل جاؤ۔ صرف اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"تم بہت زیادہ گرج چکی ہو۔" میں نے سفاک لہجے میں جواب دیا۔ "اب میرے برسنے کا تماشا بھی دیکھ لینا۔"

"کیا تمہیں اپنی ماں سے بھی پیار نہیں رہا۔"

"خبردار۔" میں چیخ اٹھا۔ "میری ماں کا نام اپنی گندی زبان پر دوبارہ کبھی نہ لانا۔"

"سوچ لو شہباز خان اگر گودام کی طرح تمہارا باقی سب کچھ بھی جل کر راکھ ہو گیا تو تمہاری کیا حیثیت رہے گی۔ کہاں سر چھپاتے پھرو گے۔ کس کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤ گے۔ کنگال ہونے کے بعد کوئی کوڑیوں کے دام بھی نہیں پوچھے گا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے اندر انتقام کا جذبہ رہ رہ کر سر ابھار رہا تھا پھر یکلخت مجھے اپنی ایک غلطی کا احساس بڑی شدت سے ہونے لگا۔ مجھے وہ دن یاد آ گیا جب میں نسیم کی بیمار ماں کی مزاج پرسی کے بعد سینی ٹوریم سے واپس آ رہا تھا اور راستے میں میرے دشمنوں نے مجھے اپنے جال میں پھانس کر ایک زمین دوز تہ خانے میں ڈال دیا تھا جہاں میں نے کالکا کو پہلی بار ایک ایسی حسین عورت کے روپ میں دیکھا جس کو دیکھ کر قید ہونے کے باوجود میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے چھونے کی

aazzamm@yahoo.com

خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن کالکا نے مجھے سختی سے منع کر دیا تھا پھر میرے بے حد استفسار پر اس نے کہا تھا کہ جب دو قوتیں آپس میں ٹکراتی ہیں تو ان میں سے کوئی ایک جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔ مجھے اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا لیکن پھر وہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی اگر مجھے صندلی انگوٹھی کی اس کرامت کا خیال نہ ہوتا تو موہنی کو اسی دن جلا کر ہمیشہ کے لیے راکھ کا ڈھیر بنا دیتا جس روز وہ گودام نمبر چار میں میرے قریب کرسی سے بندھی بیٹھی تھی' لیکن وہ وقت اب گزر چکا تھا اور موہنی کے روپ میں نظر آنے والی پراسرار مگر گندی طاقت شاید اسی انگوٹھی کی وجہ سے کھل کر میرے سامنے آنے سے گریز کر رہی تھی۔

گودام جل جانے کی صورت میں مجھے جو بھاری نقصان ہوا تھا وہ میری بزنس کی ساکھ کو خراب بھی کر سکتا تھا۔ میرے پاس بینک میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ میں گودام جل جانے کے باوجود وقتی طور پر ان کاموں کو مکمل کر سکتا تھا جن پر اس وقت کام ہو رہا تھا لیکن اگر میں گوداموں کی تباہی کے بعد خاموشی اختیار کر لیتا تو میرے دشمن اسے میری بزدلی سے تعبیر دے کر کوئی دوسرا قدم بھی اٹھا سکتے تھے حالات کے پیش نظر میرے لیے اب اینٹ کا جواب پتھر سے دینا لازمی ہو گیا تھا۔

واپسی کے راستے میں میں نے ایک ٹیلی فون بوتھ کے قریب گاڑی روک کر بے شنکر پانڈے کے نمبر ڈائل کیے۔ کچھ دیر بعد ہی دوسری جانب سے پانڈے کی آواز سنائی دی تو میں نے ماؤتھ پیس پر رومال کی دوہری تہہ جمانے کے بعد بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"پانڈے جی۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اپنے دشمن کو ہونے والے نقصان کی اطلاع مل چکی ہوگی۔"

"کون بول رہے ہو تم؟"

"گھبراؤ مت سیٹھ۔" میں نے پانڈے کو آزمانے کی خاطر کہا۔ "میں وہی بول رہا ہوں جسے تم نے شہباز خان کے گوداموں کو آگ لگانے کے کارن منہ مانگے دام چکا کر خریدا تھا۔ تمہیں میری بات پر وشواس نہیں آتا تو خود کسی طرح معلوم کر لو۔ تمہارے دشمن کا پوری طرح سرواناش ہو گیا ہے۔ میں نے جو آگ لگائی تھی اس سے گودام کا ایک تنکا بھی نہیں بچا ہوگا۔"

"لیکن....."

"دھیرج سے کام لو سیٹھ۔" میں نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اگر ابھی سے تمہارے ہاتھ پیر پھول گئے تو پولیس کو کیا بیان دو گے۔"

"مگر میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور کس قسم کی بیکار بکواس کر رہے ہو۔" پانڈے کے لہجے میں سادگی عیاں تھی۔

"یہی بیان تم پولیس کو دینا۔ اسی میں تمہاری مکتی ہے۔"

"شٹ اپ۔" پانڈے کی گرجدار آواز ابھری۔ "تم نے شاید پچھلے میں کسی کے ساتھ سودے بازی کی ہوگی ورنہ میں نے تم سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔"

"آئی سی۔" میں نے ایک بار پھر اسے ٹٹولنے کی خاطر کہا۔ "تمہارا خیال ہے کہ میں تمہاری آواز ٹیپ کر کے بعد میں بلیک میل کروں گا۔ نہیں سیٹھ' اس وچار کو من سے نکال دو۔ بدمعاشوں اور ڈاکوؤں کے بھی اپنے اپنے اصول ہوتے ہیں۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا بکواس کر رہے ہو۔" پانڈے نے نفرت کا اظہار کیا۔ اس کا لب و لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ بری طرح جھلا رہا ہوگا۔

"ٹھیک ہے پانڈے جی۔ اب تم جانو اور تمہارا کام' میں نے اپنا کام پورا کر دیا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا پھر سلسلہ منقطع کر کے دوبارہ بوتھ سے نکل کر گاڑی میں آبیٹھا۔

مجھے یقین آگیا تھا کہ پانڈے کا تعلق میرے گوداموں میں لگنے والی آگ سے نہیں تھا لیکن اس کے باوجود میرے اندر بھڑکنے والی آگ کے شعلے سرد نہیں پڑے تھے۔

گاڑی میں اس وقت میرے اور دانش کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی نہیں تھا۔ میری گاڑی سول لائنز جانے والی کشادہ روڈ پر فراٹے بھر رہی تھی۔ میرے ذہن میں موہنی کے کہے ہوئے جملے لاوا بن کر ابل رہے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ "میرے لیے ایسے حالات پیدا کر دے گی کہ میں اس کے سامنے جھولی پھیلا کر رحم کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاؤں گا لیکن اس وقت وہ مجھے بھیک دینے سے بھی انکار کر دے گی۔" اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ دیوی دیوتا اور کالی قوتیں اس کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔ وہ طاقت کے گھمنڈ میں جو منہ میں آیا کہہ گئی تھی لیکن شاید وہ بھول گئی تھی کہ میں ایک مسلمان ہوں اور مسلمان شہادت کا گھونٹ تو پی سکتا ہے لیکن کافروں کے سامنے کبھی سرنگوں نہیں ہوتا۔

مجھے سو فیصد یقین تھا کہ گوداموں میں بھڑکنے والی آگ اسی موہنی کے شیطانی عمل کا نتیجہ تھا۔ جس کی تصدیق دانش نے بھی کی تھی۔ گودام کے بلند ہونے والے شعلے میرے اوپر موہنی کا قرض بن گئے تھے جسے میں جلد از جلد بے باق کر دینا چاہتا تھا۔ ابھی تک دانش بھی پورے وثوق سے نہیں بتا سکا تھا کہ اس آگ نے ہمارے کتنے بے قصور ملازموں کو اپنے لیے بطور ایندھن استعمال کیا تھا۔ اسے علم بھی ہوتا تو شاید وہ انہیں موت کے منہ سے نہیں بچا سکتا تھا۔ جنگ اور محبت میں تمام حربوں کا استعمال جائز سمجھا جاتا ہے۔ گیہوں کے ساتھ اکثر گھن بھی پس جاتا ہے۔ ایک دشمن جب کسی پر گولی چلاتا ہے تو نشانہ چوک جانے سے وہی گولی کسی بے گناہ کی زندگی کا چراغ بھی گل کر دیتی ہے۔ موت اور زندگی کا یہ کھیل تو ازل سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔

لوگ اب اس کے عادی ہو چکے ہیں۔ وہ کہیں داد فریاد لے کر نہیں جاتے۔ مرنے والے کے غم میں آنسو بہاتے ہیں پھر اسے دفن کر کے اپنے آنسو پی لیتے ہیں اور زندگی کی ضرورتوں کا احساس پھر انہیں کام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ صبح گھر سے نکلتا ہے اپنی روزی کمانے کی خاطر لیکن اس بات کا کوئی یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ شام کو زندہ و سلامت گھر بھی پہنچے گا۔

امن کمیٹیاں آئے دن انسانیت کا درس دینے کے لیے ترتیب دی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے دانشور اپنی دھواں دھار تقریروں سے امن اور بھائی چارے کا پیغام دیتے ہیں۔ مساوات کے مطلب سمجھاتے ہیں لیکن ہوتا وہی ہے جو دہشت گرد چاہتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ اب دہشت گردی بھی مستقل روزی کمانے کا ایک ذریعہ بن چکی ہے۔ جس کی پشت پناہی وہ ہاتھ کرتے ہیں جو قانون کی بالادستی سے بھی زیادہ مضبوط اور بلند ہوتے ہیں۔

"کیا بات ہے سر۔ آپ بہت خاموش ہیں۔" دانش نے میری خاموشی کا سبب پوچھا تو میرے خیالات کا شیرازہ بکھر گیا۔

"دانش۔" میں نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ "کیا تمہیں ان ورکروں کی تعداد کا علم ہے جو گوداموں میں لگنے والی آگ میں اپنی اصلیت کھو کر کوئلے کی شکل اختیار کر چکے ہوں گے۔"

"میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے یقین ہے کہ کچھ مزدور ضرور کام آگئے ہوں گے۔" دانش نے جواب دیا۔ "آگ تمام گوداموں میں ایک ساتھ لگائی گئی اور پھر اتنی تیزی سے پھیلی تھی کہ ہر شخص دم بخود ہو کر رہ گیا تھا پھر بھگدڑ مچ گئی۔ وہ زندگی بچانے کی خاطر ایک دوسرے کو روندتے ہوئے زندگی کی جانب اندھادھند بھاگ رہے تھے۔ میں بھی بڑی مشکلوں سے باہر نکل سکا تھا۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ فوفی کو اپنے سیدھے ہاتھ اور پھر سیدھے پیر سے کیوں محروم ہونا پڑا۔ اس نے ان کالی طاقتوں سے مقابلہ کرنے میں میری مدد کی تھی جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑ رہا ہے۔"

"مجھے علم ہے سر۔"

"سوچ لو اچھی طرح۔" میں نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ "میرا ساتھ دے کر تم بھی خسارے میں رہ سکتے ہو۔"

"میں اشرفی کا مقابلہ تو نہیں کر سکتا سر لیکن آپ مجھے کسی بھی محاذ پر اپنے سے پیچھے نہیں پائیں گے۔"

"پھر غور کر لو۔" میں نے اس بار نرمی سے کہا۔ "ہم اس وقت کسی شادی میں شرکت کی غرض سے نہیں جا رہے ہیں۔ مجھ پر میرے ساتھیوں کا جو قرض ہے میں اسے اتارنے کی خاطر ایک خطرناک پلان پر عمل کرنے جا رہا ہوں۔ تم چاہو تو کسی محفوظ مقام پر اتر سکتے ہو۔ میں برا نہیں مانوں گا۔"

میں کچھ دیر خاموش رہا پھر میں نے بڑے سرد لہجے میں کہا۔ "دانش۔ تمہیں شاید علم ہو گا کہ بے شنکر پانڈے سول لائنز کے علاقے میں ایک چار منزلہ رہائشی پروجیکٹ پر کام کر رہا ہے۔"

"یس سر۔" دانش نے تیزی سے کہا۔ "میری اطلاع اگر غلط نہیں ہے تو اس عمارت کا ڈھانچہ قریب قریب تیار ہو چکا ہے۔"

"لیکن آج وہ زمین بوس ہو جائے گا۔" میرے لہجے میں سفاکی آگئی۔ "وہ بہت دنوں سے میرے صبر کا امتحان لے رہے تھے لیکن اب پیمانہ چھلکنے کا وقت آپہنچا ہے۔ تمہیں بڑی ہوشیاری سے اس ڈھانچے کے مخصوص حصوں میں ٹائم بم رکھنے کا کام سر انجام دینا ہوگا اور اس کے بعد وقت پورا ہونے پر پے در پے دھماکوں کے بعد تمام کنکریٹ فلیٹس منہدم ہو کر زمین پر آ رہیں گے۔ پھر سوچ لو یہ کام جان جوکھم کا ہے۔ اس میں ایک معمولی سی غلطی خود تمہاری زندگی کی آخری سانس بھی ثابت ہو سکتی ہے۔"

"میں بزدل نہیں سر۔" دانش کے لہجے میں اعتماد جھلک رہا تھا۔

"گاڑی کی ڈکی میں پانچ بم موجود ہیں۔ تمہیں اس طرح کا ٹائم سٹ کرنا پڑے گا کہ ایک دھماکے اور دوسرے دھماکے کے درمیان کم از کم دو منٹ کا وقفہ ضرور ہو۔" میں نے دانش کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ٹائم سیٹ کرنے سے پہلے تمہیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ پہلا دھماکا اس وقت ہو گا جب تم خیریت کے ساتھ میرے پاس واپس آجاؤ۔"

"آپ مطمئن رہیں سر۔ دانش کسی کام میں بزدلی کا ثبوت نہیں دے گا لیکن ایک بات میں بھی دریافت کرنا چاہوں گا۔"

"پوچھو۔"

"کیا گوداموں میں آگ اسی پراسرار مگر ناپاک طاقت نے لگائی تھی جو موہنی کی شکل میں سامنے آئی تھی۔"

"ہاں۔ تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"ایسی صورت میں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس گندی قوت کو ہمارے پلان کا علم ہو چکا ہو اور وہ عین وقت پر اسے ناکام بنا دے۔"

"نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے بڑے وثوق سے کہا۔ "میں نے کچھ ایسے حصار کھینچ دیے ہیں جہاں گندی قوتیں تو کیا کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ تم بلا خوف اپنا کام کر سکتے ہو۔" فوفی نے مجھے اب تک کافی کچھ سکھا دیا ہے۔"

دانش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے چور نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ نروس نہیں تھا۔ پوری طرح چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔ اس وقت رات کے تقریباً نو بجے کا عمل تھا۔ سڑک

aazzamm@yahoo.com

پر ادا کا ٹریفک موجود تھا۔ میں پوری رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ٹھیک دس منٹ بعد میں نے اپنی گاڑی اس چار منزلہ عمارت کے مکمل ڈھانچے سے تقریباً" پچاس گز دور روک دی۔ وہ علاقہ قدرے سنسان تھا۔ میں نے دانش کی طرف ڈکی کی چابی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ڈکی میں ایک چرمی بیگ موجود ہے۔ اس کے اندر پانچ ٹائم بم کے علاوہ ایک سائلنسر لگا ہوا پستول بھی موجود ہے۔ تمہیں صرف ان بموں پر لگی ہوئی گھڑیوں کا ٹائم سیٹ کرنا ہے لیکن اس بات کا اندازہ ضرور لگا لینا کہ پہلا بم بلاسٹ ہونے سے کم از کم پانچ منٹ پہلے تم میرے پاس ہو گے۔ پستول میں نے تمہاری حفاظت کے لیے رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں نائٹ واچ مین اپنی ڈیوٹی پر موجود ہوں۔ کوشش کرنا کہ ان کی تعداد میں کمی کیے بغیر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔ میں بے گناہوں کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔"

"لیکن وہ اسٹاف جو سو چکا ہوگا وہ تو ضرور گرتے ہوئے ملبے کی لپیٹ میں آجائے گا۔"

"میں نے اس کا انتظام بھی کر لیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "پہلا بم بلاسٹ ہونے سے پہلے وہ جاگ چکے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی جان بچانے کی خاطر قریب کی دوسری عمارت میں پناہ لیں۔ ایسی صورت میں موت کے چنگل سے ضرور نجات حاصل کر سکتے ہیں لیکن جن کا وقت پورا ہو چکا ہے ان کے لیے میں یا تم کچھ نہیں کر سکتے۔"

دانش نے میری طرف غور سے دیکھا پھر ڈکی کھول کر اس نے چرمی بیگ نکالا۔ چابی مجھے واپس کی اور بڑی بے پروائی سے اس چار منزلہ عمارت کے ڈھانچے کی سمت قدم اٹھانے لگا۔ میں نے آرام سے سیٹ سے ٹیک لگالی۔ دانش کے کامیاب ہو جانے کی صورت میں میرا اور بے شکر پانڈے کے نقصان کا حساب کتاب کسی حد تک برابر ہو سکتا تھا۔ موہنی سے نمٹنے کے لیے اب ضروری ہو گیا تھا کہ اب میں بھی لنگوٹ کس کر اکھاڑے میں اتر جاؤں۔ مجھے اس بات کا احساس بھی تھا کہ اگر موہنی کی گندی آتما کو میرے مشن کی خبر ہو گئی تو دانش اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو سکتا ہے چنانچہ میں نے دانش کے روانہ ہوتے ہی اس کے گرد آیت الکرسی کا حصار کھینچ دیا اور دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ مشن پورا ہونے سے پہلے موہنی کو اس کا علم نہ ہو سکے۔

میں ابھی اپنے خیالات میں گم تھا کہ وہی آواز میرے کانوں میں گونجی جو میں نے پہلی بار اس وقت سنی تھی جب کول دیپا کے قتل ہونے کے بعد بے شکر پانڈے میرے دفتر میں بیٹھا کول دیپا کے زندہ ہونے کا حیرت انگیز انکشاف کر رہا تھا اور اسی آواز نے مجھے یقین دلایا تھا کہ کول دیپا یا موہنی میں سے

رومانی ناول

زیب — حمیدہ جبین — 75/-
شاخ بریدہ — حمیدہ جبین — 75/-
حنا اور پتھر — حمیدہ جبین — 75/-
گیت یہ میرے — حمیدہ جبین — 75/-

کوئی ایک زندہ ہے۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ تم جو انتہائی انتقامی قدم اٹھا رہے ہو یہ درست ہے؟"

"وہ گندی قوتیں جو میرے درپے آزار ہیں اور میرے خلاف کوئی قدم اٹھا رہی ہیں؟" میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "کیا قصور کیا تھا میں نے یا میرے بے گناہ لوگوں نے جس کی سزا انہیں دی گئی۔"

"میں تمہاری باتوں سے اتفاق کرتا ہوں میرے عزیز لیکن عفو اور درگزر سے کام لینا تمہاری شان کے عین مطابق ہے۔"

"یہ بات میرے سنگدل اور بے رحم دشمنوں نے اس وقت کیوں نہیں سوچی جب زنجن لال کے زمانے سے مجھے پے در پے نقصان پہنچایا گیا۔" میں نے تڑپ کر کہا۔ "مجھے میری کچھ عزیز ہستیوں سے جدا کیا گیا مجھے بھاری نقصان پہنچایا گیا۔ ماسٹر نبی کو کن گناہوں کی سزا دی گئی۔ میرے والد کا کیا جرم تھا کہ زندگی کی طرف واپس لوٹتے لوٹتے انہیں موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا۔ اب وہ مکروہ قوتیں میری ماں کو نشانہ بنانے کا سوچ رہی ہیں اور آپ مجھے عفو اور درگزر کا سبق یاد دلانے آئے ہیں۔ مجھے اپنے گودام میں لگنے والی آگ کا کوئی غم نہیں۔ بزنس میں نفع اور نقصان دونوں ہوتے ہیں لیکن موہنی کے ہی ہاتھوں کیوں؟ صرف اس لیے کہ میں کافروں کے لیے میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔

وہ یہی چاہتے ہیں لیکن میں انہیں باور کرانا چاہتا ہوں کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا۔ مقدس کتابوں میں بھی یہی درج ہے کہ 'قبل اس کے کہ کوئی موذی تمہیں نقصان پہنچائے اس کا سر کچل دو' صبر کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے اور اب ۔ اب میرے اندر برداشت کی قوت نہیں رہی۔ میں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں جب تک ان گندی قوتوں کا سر نہیں کچل دوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"میں تمہارے قلب کی دھڑکنوں کو سن بھی رہا ہوں اور محسوس بھی کر رہا ہوں لیکن اس کے باوجود بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنا خدا کو پسند نہیں ہے۔"

"میرے والد کے سلسلے میں آپ کیا کہیں گے؟ کیا وہ قصوروار تھے؟ نسیم کی بیمار ماں کی موت کا کیا جواز تھا؟" میں نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "حالات کا شروع سے جائزہ لیں میرے محترم۔ آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ قصوروار کون ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اپنے انتقام کی آگ بجھاؤ لیکن میں ان بے گناہوں کو بچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں جو تمہارے دھماکے میں کام آسکتے ہیں۔"

"یہ آپ کا میری ذات پر ایک احسان ہوگا۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" نادیدہ شخص کی آواز سنائی دی۔

"میں بذات خود غریبوں کے خون خرابے سے دور رہنا چاہتا ہوں۔"

"گویا تم صرف اپنے نقصان کا حساب چکتا کرنا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"پریشان مت ہو میرے عزیز میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"کیا آپ مجھے اس بات کا یقین دلا سکتے ہیں کہ میری ماں کی موت گندی قوتوں کے ہاتھوں واقع نہیں ہوگی۔"

"موت برحق ہے۔ اسے کوئی قوت ٹال نہیں سکتی۔"

"آپ کا جواب میری پریشانیوں میں اضافہ کا سبب بن رہا ہے۔"

"خدا پر بھروسا رکھو۔ وہ جو کرے گا بہتری ہوگا۔" جواب نرمی سے دیا گیا پھر مجھے ایسا لگا جیسے کوئی آہستہ سے گاڑی سے اتر گیا ہو لیکن دروازے بدستور بند ہی تھے۔ میں نے اپنے شبے کی تصدیق کی خاطر دو چار بار آوازیں بھی دیں لیکن دوسری جانب خاموشی طاری رہی۔

مجھے دانش کی واپسی کے سلسلے میں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ پینتالیس منٹ بعد وہ دوبارہ میری برابر والی سیٹ پر موجود تھا۔ چرمی بیگ اس نے پشت کی سیٹ پر اچھال دیا تھا۔

"کیا رہا۔" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"ٹھیک سات منٹ بعد پہلا دھماکہ ہوگا۔" اس نے پر اعتماد آواز میں جواب دیا۔ "میں نے ان بموں کو خاص طور پر ایسی ہی جگہوں پر نصب کیا ہے کہ عمارت کی بنیادیں کمزور ہو کر اس کا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیں گی۔"

دانش نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ٹھیک سات منٹ بعد پہلا دھماکہ ہوا لیکن اس سے پیشتر فضا خودکار اسلحہ کی گولیوں سے گونج اٹھی تھی یہ فائر میرے ان آدمیوں نے کیے تھے جنہیں میں نے پہلے سے ہدایت کر دی تھی۔ دانش کی واپسی کے دو منٹ بعد ہی وہ ہوائی فائرنگ شروع کر دیں۔ میں ان لوگوں کو بیدار کر کے فرار ہونے کا موقع فراہم کرنا چاہتا تھا۔ جو بے قصور تھے اور چار منزلہ عمارت میں موجود تھے۔

یکے بعد دیگرے دو دو منٹ کے وقفے سے پانچ دھماکے ہوئے اور بے شکر پانڈے کی بنتی ہوئی ساکھ کا تاج محل زمین بوس ہو گیا۔ میں نے دوسرے دھماکے کے بعد ہی اپنی گاڑی گیئر میں ڈال کر تیزی سے موڑی اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ ڈیش بورڈ پر رفتار بتانے والی سوئی اسی اور نوے کے درمیان متحرک تھی۔ ایک بار میں نے چور نظروں سے دانش کی جانب بھی نظر دوڑائی۔ وہ بدستور بڑا بے پروا نظر آرہا تھا۔ میں نے اسے اس کے گھر سے کچھ دور ہی گاڑی سے اتار دیا اور خود گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر میں داخل ہونے کے بعد میں سب سے پہلے اپنے پرانے وفادار اور نمک حلال ملازم احمد علی سے ملا اور یہ جان کر اطمینان کا سانس لیا کہ میری والدہ ابھی تک اسی حالت میں محو خواب ہیں جس میں میں انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔

*

دوسری صبح دفتر جانے سے پہلے مجھے سب سے پہلی کال سراج کی موصول ہوئی۔

"خیریت۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ "اتنی صبح صبح کیسے یاد آگئی۔"

"کل رات کسی نے دھماکہ خیز بموں کے ذریعے اس چار منزلہ عمارت کو اینٹ اور گارے کے ڈھیر میں بدل دیا جو بے شکر پانڈے سول لائنز کے علاقے میں تعمیر کر رہے تھے۔"

"اوہ نو۔" میں نے بدستور حیرت سے کہا پھر تیزی سے پوچھا۔ "کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا؟"

"نہیں۔" سراج نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بم کے دھماکوں سے پہلے ہی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے جاگ کر زندگی بچانے کی خاطر ادھر ادھر بھاگ کھڑے ہوئے تھے لیکن ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اصل صورت تو ملبہ ہٹنے کے بعد ہی واضح ہوگی۔"

"گویا اس بار کسی منظم سازش کے تحت ہی ایک دن میں دو خطرناک وارداتیں عمل میں آئی ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "قرب و جوار میں رہنے والوں نے کیا بیان دیا ہے۔"

"وہ دھماکوں کی کان پھاڑ دینے والی آواز سن کر ہی بیدار ہوئے تھے اس لیے کسی قسم کا بیان دینے سے قاصر تھے۔"

"ملازموں کا کیا کہنا ہے۔" میں نے کہا۔ "میرا مطلب ان ورکروں اور چوکیداروں سے ہے جو عمارت میں نائٹ ڈیوٹی پر موجود رہے ہوں گے۔"

"وہ اس قدر بوکھلائے ہوئے ہیں کہ کسی قسم کا بیان دینے سے قاصر ہیں۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا ہے کہ پہلے خودکار آتشیں اسلحے سے دو چار برسٹ مارے گئے تھے پھر بم کے دھماکے شروع ہو گئے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔" میں نے پوچھا۔ "کیا یہ کھیل تماشے موہنی کی بدروح اسٹیج کر رہی ہے۔ پہلے میرے گوداموں

aazzamm@yahoo.com

میں آگ لگنا اور اب پانڈے جی کے ایک پروجیکٹ کی تباہی۔"

"میرا خیال ہے کہ ان دونوں وارداتوں کو ایک ہی دیدہ یا نادیدہ شخصیت سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کے گوداموں میں لگنے والی آگ کی ذمے داری تو موہنی کے کھاتے میں ڈالی جا سکتی ہے لیکن پانڈے جی کے پروجیکٹ کی بربادی میں کسی دشمن کی سازش کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔"

"پانڈے جی کا کیا بیان ہے؟"

"انہوں نے کسی قسم کا بیان دینے سے انکار کر دیا ہے۔" سراج نے کہا۔ "میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ کسی بات سے بری طرح سہمے اور خوفزدہ نظر آ رہے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنی زبان سختی سے بند کر رکھی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ان لوگوں سے ضرور واقف ہوں گے جنہوں نے انہیں ایک بھاری نقصان پہنچایا ہے لیکن اب وہ جان کے خوف سے کوئی بیان دینے یا ان کا نام لینے سے کترا رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ آپ کا خیال درست ہو۔"

"پانڈے جی اس وقت کہاں ہیں۔" میں نے ہمدردانہ انداز اختیار کیا۔

"میں ابھی ابھی ان کو ان کے گھر چھوڑ کر دفتر پہنچا ہوں۔" سراج نے کہا۔ "مسٹر پانڈے کی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ وہ سکتے کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ میں نے انہیں ہسپتال میں داخل ہو جانے کا مشورہ بھی دیا تھا لیکن انہوں نے اشارے سے انکار کر دیا۔"

"ظاہر ہے مسٹر سراج۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "گوداموں کی آگ تو میرا ذاتی سرمایہ تھی جس کے لیے مجھے کسی کو جواب نہیں دینا پڑے گا لیکن پانڈے۔ ان کے پروجیکٹ میں تو دوسروں کا بھی اچھا خاصا سرمایا لگا ہوگا۔ وہ کس کس کا خسارہ پورا کرتے پھریں گے۔ ان کی جگہ اگر میں ہوتا تو شاید میری ذہنی کیفیت بھی ان کی موجودہ کیفیت سے مختلف نہ ہوتی۔"

"فی الحال میں نے ذاتی شبے کی بنیاد پر ارجن نامی اس شخص کو حراست میں لے لیا ہے جو پانڈے جی کے یہاں سے نکالے جانے کے بعد ایک دوسری کنسٹرکشن کمپنی میں کام کر رہا تھا۔ اس کنسٹرکشن کمپنی نے بھی اس پروجیکٹ کے لیے ٹینڈر بھرا تھا جس پر پانڈے کام کر رہا تھا۔ ممکن ہے ارجن نے اپنا انتقام لینے کی خاطر اپنی کمپنی کے کسی بڑے عہدیدار کو ساتھ ملا کر یہ خطرناک سازش کی ہو۔"

"ارجن کا کیا بیان ہے؟"

"وہ ابھی تک ایک ہی بیان پر ڈٹا ہے کہ وہ اس واردات کے بارے میں قطعی لاعلم ہے۔ ہو سکتا ہے دو چار روز تک پولیس کی مار کھانے کے بعد وہ سچ اگل دے۔"

تھوڑی دیر تک اسی موضوع پر گفتگو کرنے کے بعد سراج نے فون بند کر دیا۔ میں تیار ہونے کی خاطر ڈریسنگ روم کی طرف جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پانڈے کا فون آ گیا۔

"شہباز صاحب۔ میں لٹ گیا' برباد ہو گیا۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے نقصان کی فکر نہیں ہے۔ بھگوان کا دیا اتنا ہے کہ میں اپارٹمنٹ بک کرانے والوں کی کوڑی کوڑی لوٹا سکتا ہوں لیکن میری ساکھ کا ستیاناس ہو گیا۔"

"ابھی مسٹر سراج سے میری گفتگو ہو رہی تھی۔ ان کا خیال ہے یہ حادثہ کسی گہری سازش کا نتیجہ ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "انہوں نے آپ کے سابقہ ملازم ارجن کو حراست میں لے لیا ہے۔ شاید وہ اس کنسٹرکشن کمپنی کے لیے کام کر رہا ہے جو آپ کی جگہ تباہ ہونے والے پروجیکٹ پر کام کرنے کی خواہش مند تھی۔"

"ہو سکتا ہے آپ کے مترکا اندازہ ٹھیک ہی ہو پر تو میرا من کچھ اور کہہ رہا ہے؟"

"وہ کیا؟"

"مجھے شاید آپ کو وہ بات نہیں بتانی چاہیے تھی۔" پانڈے کا اشارہ کومل ورما کی طرف تھا۔ "ہو سکتا ہے کہ اسے وہ بات بری لگی ہو۔"

"اس خیال کو من سے نکال دیں مسٹر پانڈے۔" میں نے جواب دیا۔ "آپ جس کا ذکر کر رہے ہیں اس کا ایک اشارہ ہی بہت ہے' پھر گولیاں اور بم چلانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں۔" پانڈے نے بے بسی کا اظہار کیا۔

"میں تیار ہو کر آتا ہوں آپ کی طرف لیکن ایک بات کا خیال رکھیں۔"

"کیا؟" پانڈے نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"جو بات آپ نے مجھ سے کی تھی وہ کسی اور کے سامنے نہ دہرائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" پانڈے نے بدستور بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا پھر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھا اور ڈریسنگ روم کی طرف چلا گیا۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ میں نے موہنی کے مقابلے میں فتح حاصل کی تھی' لیکن۔ شاید یہ محض میری خوش فہمی تھی۔

بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ
کی سیاسی زندگی اور کارناموں پر مشتمل
حوالہ جاتی کتاب

عظیم مدبر عظیم قائد

------------ زاہد حسین انجم

500 سے زائد صفحات۔ قیمت-/125 روپے

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

میں نے پانڈے کے دفتر میں قدم رکھا تو وہ ٹہلنے میں مصروف تھا۔ اس کے چہرے پر تفکرات کے گہرے بادل منڈلا رہے تھے۔ چار منزلہ عمارت کے مسمار ہو جانے کا صدمہ اتنا گہرا تھا جسے وہ آسانی سے فراموش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اس بات کا بھی خوف لاحق تھا کہ اس نے کومل ورما کے بارے میں مجھے بتا کر ایک گندی آتما کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ وہ ابھی تک موہنی یا کومل ورما ہی کو اپنی تباہی کا سبب سمجھ رہا تھا۔

مجھے دفتر میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا پھر اس نے بڑی بے بسی کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے احتیاطاً اس کے دفتر میں داخل ہوتے ہی آیت الکرسی کا حصار کھینچ دیا تھا تاکہ دوسری کوئی گندی قوت اس حصار کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ آیت الکرسی مجھے بزرگوں کی طرف سے بخشی گئی تھی۔ میں نے چالیس روز تک دن رات اس کا ورد کر کے خود کو اس کا عامل بنا لیا تھا۔ وہ افراد جو آیت الکرسی سے واقف ہیں۔ جنہوں نے اس کی تفسیر پڑھی ہے وہ اس کے معجزے اور بیش بہا فوائد سے بھی بخوبی واقف ہوں گے۔

"میں آپ ہی کی راہ دیکھ رہا تھا۔" پانڈے نے عجیب انداز میں کہا۔ "لیکن مجھے جو نقصان پہنچنا تھا وہ پہنچ چکا۔ اب سارا نقصان مجھ ہی کو بھگتنا ہے۔"

"آپ مجھے خود سے الگ نہ سمجھیں۔" میں نے اس کی بے بسی سے متاثر ہو کر سنجیدگی سے کہا۔ "انسان ہی انسان کا ساتھی ہوتا ہے۔ آپ والد صاحب کے واقف کار رہ چکے ہیں تو آپ کا حق بھی میرے اوپر بنتا ہے۔ مجھے حکم دیں میں ہر طرح سے آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

"مجھے نقصان کی پروا نہیں ہے شہباز صاحب۔"

"پھر۔"

"آپ کا کاروبار کیسا چل رہا ہے۔" پانڈے نے اپنی بات چھوڑ کر میرے کاروبار کے بارے میں سوال کیا تو میرا ماتھا ٹھنکا۔ یا تو موہنی کی پلید آتما نے اسے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا یا پھر وہ خود کو موہنی یا کومل ورما کے ذکر سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ شاید ابھی تک اس کا یہی خیال تھا کہ اس نے مجھے کومل ورما کی بابت بتا کر ٹھیک نہیں کیا تھا۔

"میرا کاروبار آپ کی دعا سے ٹھیک چل رہا ہے۔"

"منی کی حالت اب کیسی ہے۔"

"وہ بھی اب ٹھیک ہے۔"

"میری بھی یہی پرارتھنا ہے کہ بھگوان اسے ٹھیک کر دے۔"

"میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور ٹھیک ہو جائے گا۔" میں نے پانڈے کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے کہا۔ "جدید سائنس نے کافی ترقی کر لی ہے۔ ڈاکٹروں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ مصنوعی ٹانگ لگنے کے بعد وہ عام انسانوں کی

aazzamm@yahoo.com

طرح چل پھر سکے گا۔"

"آپ کے حریف مسٹر سراج نے ارجن کے بارے میں کیا بتایا ہے۔" پانڈے نے پوچھا۔ "کیا ارجن نے زبان کھولی یا ابھی تک اپنے پرانے بیان پر اڑا ہوا ہے؟"

"آپ کا دوسرا خیال درست ہے۔ ارجن نے آپ کو ہونے والے نقصان کے بارے میں خود کو قطعی لاتعلق ظاہر کیا ہے۔"

"مرنا بھی چاہیے۔" پانڈے نے زہر خند سے جواب دیا۔ "اپنی مرضی سے اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا بھلا کون ڈالتا ہے۔"

"میں اس وقت ایک کپ کافی پینے کے موڈ میں ہوں۔" میں نے جان بوجھ کر پانڈے کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔

"معاف کیجیے گا شہباز صاحب۔" پانڈے نے بڑے انکسار سے کہا۔ "پریشانی کی وجہ سے مجھے اس بات کا دھیان نہیں رہا۔"

پھر پانڈے نے انٹرکام پر کافی کا آرڈر دیا جو پانچ منٹ کے اندر اندر سرو کر دی گئی۔

"مسٹر پانڈے۔" میں نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے یکلخت گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "مجھے فون کرنے کے بعد کیا آپ کو کچھ اور کالس بھی وصول ہوئی تھیں۔"

"جی ہاں۔" پانڈے نے طویل سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "جن لوگوں نے فلیٹ اور دکانیں بک کرائی تھیں ان کے برابر فون آ رہے ہیں۔ میں نے اپنے سیکریٹری سے کہہ دیا ہے کہ وہ ان سے صرف پندرہ دن کی مہلت مانگے اس کے بعد ان کی رقم واپس کر دے۔ بھگوان کی کرپا سے میرے پاس اتنا دھن ہے کہ میں ان کا نقصان بھر سکوں۔"

"جب رقم واپس کرنی ہے تو پھر پندرہ دن کی مہلت مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے اسے کریدنے کی خاطر کہا۔ "میں اپنی چیک بک ساتھ لایا ہوں۔ آپ صرف حکم دیں۔ میں کسی خدمت سے انکار نہیں کروں گا۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہوگی۔"

"وہ کیا؟"

"میں جو چیک کاٹوں گا وہ سلف (SELF) ہوگا۔ آپ کی فرم کا نام درمیان میں نہیں آئے گا۔"

"بڑی کرپا ہے آپ کی۔ پر تو مجھے پیسوں کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"پھر پندرہ دن کی مہلت مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے پھر اپنی بات دہرائی۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس درمیان میں انشورنس سے کلیم کے معاملات نپٹا دوں۔"

"ایک بات کہوں پانڈے جی۔"

"کہیے۔"

"مجھے فون کرنے کے بعد آپ کو کوئی خاص کال ضرور وصول ہوئی ہوگی۔" اس بار میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" پانڈے نے اپنی بوکھلاہٹ کو چھپاتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ کنسٹرکشن کمپنی کا دفتر ہے اور پھر میرا جو پروجیکٹ تباہ ہوا ہے اس میں دوسروں کے پیسے بھی ہیں۔"

"میرا اشارہ موہنی یا کومل ورما کی کال سے ہے۔" میں نے تیزی سے کہا تو پانڈے سٹپٹا گیا۔ کچھ توقف سے بولا۔

"کیا ہم اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کر سکتے۔" اس کے لہجے میں کسمپرسی شامل تھی۔

"گویا میرا اندازہ غلط نہیں ہے۔"

"پلیز مسٹر شہباز۔" پانڈے نے بڑی عاجزی کا مظاہرہ کیا۔ "میں بنتی کرتا ہوں کہ آپ کوئی اور بات کریں۔ ہم مہان شکتیوں سے نہیں جیت سکتے۔"

"گھبرایئے نہیں پانڈے جی۔" میں نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ "میں نے اس وقت آپ کے کمرے کے گرد ایک ایسا منڈل (حصار) کھینچ دیا ہے جس کے اندر کوئی گندی طاقت داخل نہیں ہو سکتی نہ ہماری بات سن سکتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں لیکن۔"

"اس سے پیشتر جب آپ نے میرے دفتر میں بیٹھ کر کومل ورما والی بات کی تھی تو اس کا علم اسے ہو گیا ہے۔"

"نہیں۔ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔" پانڈے نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔ "کیول اتنا ہی معلوم کیا تھا کہ میں کس کارن آپ سے ملا تھا اور ہمارے بیچ کیا بات ہوئی تھی۔"

"پھر آپ نے کیا جواب دیا۔"

"میں نے یہی کہا تھا کہ ہمارے درمیان کاروبار کی بات ہو رہی تھی۔"

"اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ وہ باتیں نہیں سن سکی تھی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں پر تو اس نے میرے اور آپ کے بیچ ہونے والی آج صبح کی گفتگو سن لی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے جلدی سے پانڈے کا اعتماد بحال کرنے کی خاطر کہا۔ "لیکن ہمارے درمیان کومل ورما یا موہنی کے نام کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا۔"

"اسی لیے میری جان سستی چھوٹ گئی ورنہ۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اس نے آپ کو مجھ سے میل جول بڑھانے سے منع کیا ہوگا اور شاید کوئی دھمکی بھی دی ہوگی۔"

"ہاں۔" پانڈے نے بدستور سہمی سی آواز میں جواب دیا۔ "اس نے یہی کہا تھا کہ میں آپ سے زیادہ میل ملاپ رکھنے کی کوشش نہ کروں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ آئندہ سے میرے پاس نہ دفتر آیئے گا نہ ہی فون پر گفتگو کیجیے گا۔ میں خود ہی آپ کے دفتر آجایا کروں گا۔"

"اب تو ایسا ہی کرنا ہوگا اگر میں نے ایسا نہ کیا تو وہ مجھے اور بہت سارے نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔" پانڈے نے دبی زبان میں کہا۔ "اس نے فون پر مجھے یہی دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اس کا کہنا نہ مانا تو وہ مجھے کنگال بھی کر سکتی ہے۔"

"کیا اس نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ آپ کے پراجیکٹ کی تباہی میں کس کا ہاتھ شامل ہے۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"آپ خفا تو نہیں ہوں گے۔" پانڈے نے عجیب انداز سے میری سمت دیکھا۔

"اس میں بھلا خفا ہونے والی کیا بات ہے۔" میں نے جلدی سے عذر لنگ پیش کیا۔ "ظاہر ہے کہ اس نے میرا یا میرے ہی کسی آدمی کا نام لیا ہوگا۔"

"ہاں۔ پرنتو وہ بم کس نے مارے تھے اس سلسلے میں اس نے پورے وشواس سے کوئی بات نہیں کی۔ کیول آپ کا اور آپ کے ایک ملازم کا نام ضرور لیا تھا۔"

"کیا میں اس ملازم کا نام پوچھ سکتا ہوں۔" میں نے بڑے اعتماد سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ آپ اپنے کسی کارندے کے ساتھ تباہ ہونے والے پروجیکٹ کی طرف گئے تھے لیکن۔"

"لیکن کیا۔"

"اس کے بعد ایسا گھور اندھیرا چھا گیا تھا کہ اس کی آتما بھی اس اندھیرے میں نہیں جھانک سکی تھی۔"

"پانڈے جی۔" میں نے جان بوجھ کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اگر آپ نے ابھی تک کومل ورما یا موہنی کے پیش کردہ شبہات کا اظہار نہیں کیا تو اب میری طرف سے پوری اجازت ہے۔ فون اٹھائیں اور سراج سے کھل کر سب کچھ کہہ دیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ میں اس بات کا برا نہیں مناؤں گا۔"

"اگر مجھے ایسا کرنا ہوتا تو آپ کی اجازت سے پہلے ہی کر چکا ہوتا۔" پانڈے نے اپنی صفائی پیش کی۔ "میں نے اس کی بات سنی ضرور تھی لیکن دوسرے کان سے نکال دی تھی۔ بھلا میرے اور آپ کے بیچ کیا دشمنی ہے جو آپ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔"

"آپ کے اور کومل ورما کے درمیان اور کیا بات ہوئی تھی۔"

"وہ آپ سے خوش نہیں ہے۔" پانڈے نے دبی زبان میں کہا۔ "اس نے سوگند اٹھائی ہے کہ وہ آپ کو جب تک تباہ نہیں کر دے گی اس کی آتما کو چین نہیں ملے گا۔"

"یہ بات وہ مجھ سے براہ راست بھی کہہ چکی ہے۔" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن دیکھ لیں۔ میں آپ کے سامنے بھلا چنگا بیٹھا ہوں ویسے مجھے اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ وہ میری کسی غفلت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھ سے ہار کر وہ ٹوٹی کی طرح میرے دوسرے کارندوں کو بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔"

"میں آپ کو ایک حیرت انگیز بات اور بتانا چاہتا ہوں۔" پانڈے نے کہا۔ "انشورنس کے کاغذات مکمل کرنے اور تمام ثبوت وغیرہ پیش کرنے میں کتنا سمے لگتا ہے اس کا تھوڑا بہت اندازہ آپ کو بھی ہوگا لیکن کیا آپ وشواس کریں گے کہ کومل ورما نے تمام کاغذات تیار کر دیے ہیں۔"

"کومل ورما نے۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"جی ہاں۔ آج صبح جب میں دفتر پہنچا تو تمام کلیم مجھے اپنی ٹیبل پر تیار ملے تھے۔ میں ابھی اچنبھے میں گرفتار تھا کہ کومل ورما ہمیشہ کی طرح بڑی سنجیدگی سے میرے آفس میں داخل ہوئی اور اس نے فائلوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "سر میں نے انشورنس کی تمام فائلیں مکمل کر دی ہیں۔"

"یہ اطلاع میرے لیے حیرت انگیز ہے۔"

"پہلے مجھے بھی وشواس نہیں تھا پرنتو جب میں نے فائلیں الٹ پلٹ کر دیکھیں تو سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے میں نے سوچا تھا۔"

"اور کیا بات ہوئی تھی آپ کے اور اس کے درمیان۔"

"وہ رکی نہیں تھی۔ میں نے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ بس اس نے فائلوں کی طرف اشارہ کیا اور خاموشی سے الٹے قدموں واپس چلی گئی۔"

"کیا آپ کو امید ہے کہ وہ حسب وعدہ اس وقت بھی اپنی سیٹ پر موجود ہوگی۔"

"میں وشواس سے نہیں کہہ سکتا۔"

میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور پانڈے نے ریسیور اٹھا لیا۔ کال اسے ڈائریکٹ لائن پر موصول ہوئی تھی۔ دوسری طرف سے کیا بات کہی گئی تھی۔ یہ میں نہیں سن سکا البتہ پانڈے کے اس جواب سے کہ "جی نہیں۔ وہ میرے پاس نہیں آئے۔" مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کال سراج کی ہوگی بعد میں پانڈے نے ریسیور رکھنے کے بعد میرے شبے کی تصدیق بھی کر دی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

"ٹھیک ہے پانڈے جی۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اب اجازت چاہوں گا اور جاتے جاتے آپ سے ایک درخواست بھی کروں گا۔"

"وہ کیا؟"

"جو بات ہمارے درمیان ہوا اس کا ذکر کسی اور سے نہ کیجیے گا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" اس نے بڑی فراخ دلی سے جواب دیا پھر بولا۔ "کیا کول ورما کی آتما نے آپ کو یہاں آتے نہیں دیکھا ہوگا۔"

"وہ مجھے جاتے ہوئے بھی ضرور دیکھے گی لیکن ہمارے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں یہ اس کی گندی آتما کے بڑے بھی نہیں جان سکے ہوں گے۔"

"بھگوان کرے ایسا ہی ہو ورنہ میری تو لٹیا ہی ڈوب جائے گی۔"

"آپ کی لٹیا ڈوبے گی نہیں۔ ترقی رہے گی لیکن شرط یہی ہے آپ ذرا ہمت سے کام لیں۔"

"ٹھیک بات اور۔۔۔" پانڈے نے بدستور مصافحے کے بعد بھی میرا ہاتھ تھامے ہوئے کہا۔ "آپ کے جانے کے بعد اگر اس تندی بلا نے سامنے آکر آپ کے آنے کا کارن پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا۔"

"صرف یہی کہ ہمارے درمیان کاروباری باتیں ہوئی تھیں۔ میں نے آپ کو مالی امداد کی پیشکش کی تھی جسے آپ نے نفرت سے ٹھکرا دیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر پانڈے کے دفتر سے باہر آگیا۔

⁂

جو باتیں سامنے آرہی تھیں وہ ناقابل یقین ہی تھیں۔ کول ورما دوسروں کی نگاہوں میں آئے بغیر اپنے فرائض منصبی انجام دے رہی تھی۔ اس نے کلیم کے تمام فائل تیار کر دیے تھے اور اتنے کم وقت میں کہ شاید دنیا کا کوئی کمپیوٹر بھی نہ کر سکتا۔ اس نے مجھے اور دانش کو بھی پانڈے کے پروجیکٹ کی جانب جاتے دیکھ لیا تھا لیکن مجھے بروقت آیت الکرسی کا خیال آگیا تھا ورنہ شاید اب تک دانش بھی اپنے کسی ہاتھ یا پیر سے محروم ہو چکا ہوتا۔ کول ورما کی گندی روح نے پانڈے سے بھی یہی بات کہی تھی کہ جب تک وہ مجھے تباہ و برباد نہ کرے گی اس کی بھٹکتی ہوئی آتما کو سکھ چین نصیب نہیں ہوگا۔

پراسرار قوتیں میرے اطراف اپنا گھیرا تنگ کرتی جارہی تھیں لیکن قدرت میرے اوپر مہربان تھی۔ کمبل پوش بزرگ نے اپنی انگوٹھی مجھے دے کر محفوظ کر دیا تھا اور میری حفاظت کے لیے جنات کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے کسی نیک بزرگ کو بھی تعینات کر دیا تھا۔ دوسری جانب موہنی نے مجھے سنگین

شاہ فاروق حاکم مصر	پروفیسر ایم اشرف پی-ایچ-ڈی	50/-
شاہ فیصل شہید	پروفیسر ایم اشرف پی-ایچ-ڈی	50/-
ہٹلر کی حیات معاشقہ	پروفیسر ایم اشرف پی-ایچ-ڈی	90/-
ہٹلر کے آخری دس دن	پروفیسر ایم اشرف پی-ایچ-ڈی	75/-
سکندر اعظم	پروفیسر ایم اشرف پی-ایچ-ڈی	75/-
نپولین بوناپارٹ	پروفیسر ایم اشرف پی-ایچ-ڈی	75/-
رومانی شاعر لارڈ بائرن کی حیات معاشقہ	پروفیسر ایم اشرف پی-ایچ-ڈی	50/-
مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ان کی عیاشیاں	پروفیسر ایم اشرف پی-ایچ-ڈی	75/-
ہرہٹلر کی کہانی	پروفیسر ایم اشرف پی-ایچ-ڈی	100/-

مکتبہ القریش

اُردو بازار-لاہور 2

حالات سے دوچار کرنے کی دھمکی دی تھی۔

پانڈے بظاہر ایک اچھا انسان تھا لیکن انسان ماں کے پیٹ سے اچھا یا برا بن کر پیدا نہیں ہوتا۔ حالات اور حادثات اسے وقت کے دھاروں کے ساتھ بہا لے جاتے ہیں۔ اس کے پروجیکٹ کی تباہی میں میرا انتقامی جذبہ کارفرما تھا۔ بات چونکہ دو قوتوں کی درمیان اپنا احاطہ وسیع کر رہی تھی اس لیے میں نے مجبوراً دوسرے فریق کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے علم تھا کہ موہنی کی گندی روح میرے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی لیکن وہ اپنی قوتوں کے ذریعے پانڈے کو میرے خلاف اکسا سکتی تھی۔ پولیس کے اعلیٰ افسران کے ذہنوں میں زہر بھر سکتی تھی میرے لیے کئی پریشانیاں کھڑی کر سکتی تھیں میں تنہا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن اس کے باوجود میں پراسرار گندی قوتوں سے ہراساں بھی نہیں تھا۔ مجھے خدا کی بزرگی اور اس کی لازوال طاقت پر مکمل ایمان تھا۔ دنیا کی تمام پلید قوتیں مل کر بھی اس کی طاقت کو ایک ذرا سا دھچکا بھی نہیں پہنچا سکتی تھیں۔ میرا عقیدہ راسخ تھا۔ کمبل پوش بزرگ نے آخری ملاقات میں مجھے جن نظروں سے گھورا تھا اس نے میرے اندر ایک نئی قوت پیدا کر دی تھی میرے قدم زمین پر اور مستحکم ہو گئے تھے۔ مجھے اصلیت کا علم نہیں تھا لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ سفید ریش بزرگ نے میرے اندر اپنی کچھ لازوال قوتیں بھی ودیعت کر دی تھیں۔ خواب میں اس برگزیدہ بزرگ نے پانی کا ایک چلو میری ماں کے منہ پر اچھال دیا تھا اور باقی پانی سے میرے اندر پیدا ہونے والی آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ ایک کرشمہ تھا محض خواب کی باتیں نہیں تھیں۔ قدرت نے ایک بزرگ کے وسیلے سے مجھے کچھ ایسی خوبیوں اور قوت سے نوازا ہوگا جس کا مجھے ابھی پوری طرح علم نہیں تھا البتہ میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے اندر اعتماد اور قوت پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔

میں اگر تنہا ہوتا تو شاید مجھے کسی بات کی فکر لاحق نہ ہوتی لیکن میرے ساتھ میرے بیشمار کارندے اور رفیق شامل تھے جنہوں نے میری خاطر قربانیاں دی تھیں۔ میں ان کی قربانیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بےلوث قربانیاں میرے اوپر ان کا ایک قرض بن گئی تھیں۔ مجھے اپنے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا خیال بھی رکھنا تھا۔ ان کے تحفظ کی ذمہ داری بھی مجھ پر واجب تھی۔ میں ان ذمہ داریوں سے چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا۔

میرے ذہن میں متعدد خیالات ابھر رہے تھے۔ وہ پراسرار قوتیں جو کبھی میرے ساتھ تھیں اب ایک ایک کر کے مجھ سے علیحدگی اختیار کرنے لگی تھیں۔ کاکا ایک طویل عرصے سے خاموش تھی۔ اس نے بار بار وعدے کے باوجود مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ لیڈی ملکارنس بھی اس بات پر مجھ سے خفا ہو گئی تھی کہ میں نے اس کے مشوروں پر عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ شنکر کا وجود میری اطلاع کے مطابق ختم ہو چکا تھا لیکن اس کی زندگی کی کچھ شاخیں ابھی باقی تھیں۔ پنڈت منسی دھر لیڈی ملکارنس کی پراسرار حیرت انگیز لائبریری میں شیشے کے ایک بکس میں مقید تھا لیکن اس نے میرے سامنے اس بات کا دعویٰ بھی کیا تھا کہ بہت جلد اس قید سے چھٹکارا حاصل کر لے گا۔ ممکن تھا کہ خود لیڈی ملکارنس نے اس کی روح کو میرے خلاف برسرپیکار ہونے کی خاطر اپنی قید سے آزاد کر دیا ہو۔ روپ نگر سے جن حالات نے میرا تعاقب شروع کیا انہوں نے میرا پیچھا ابھی تک نہیں چھوڑا تھا۔ پہلے زنجن لال کے سلسلے میں کچھ قوتیں مجھے نیچا دکھانا چاہتی تھیں۔ ندیم نے نہایت خاموشی سے میرے علم میں لائے بغیر زنجن لال کو میرے راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹا دیا تھا اب اس کی جگہ بے شنکر پانڈے نے لے لی تھی۔ پراسرار گندی طاقتیں اس کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔ میں ابھی اپنے ان ہی خیالات میں مستغرق تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے گاڑی میں میرے علاوہ کسی اور کی شخصیت بھی موجود ہے۔ میں نے ہر طرف غور کیا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس بات کو اپنا واہمہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتا لیکن میرے دل کی دھڑکنیں اس بات کی گواہ تھیں کہ کوئی نادیدہ شخصیت میرے بہت قریب موجود تھی۔ پھر میرے دل و دماغ میں جو مہک ابھری اسے محسوس کر کے میں چونک اٹھا۔ میں اس خوشبو کو ابھی تک نہیں بھولا تھا۔ یہ خوشبو کاکا کے جسم سے ابھر کر ایک بار اس وقت میرے وجود پر سحر بن کر چھا گئی تھی جب میں نسیم کی والدہ کی کیفیت دریافت کرنے کی خاطر حکیم گیا تھا۔ واپسی پر مجھے زنجن لال کے زرخرید غنڈوں نے اغوا کر کے کسی تہ خانے میں ڈال دیا تھا اس وقت کاکا میری نگاہوں کے سامنے ایک خوبصورت اور حسین ترین دوشیزہ کی صورت اختیار کر کے نمودار ہوئی تھی۔ اس کے حسن کی رعنائیاں اور جادوگری ابھی تک میرے ذہن کے نہاں خانوں میں محفوظ تھی۔ اس کے بدن کی مہک، اس کی نگاہوں کی سحرانگیزی اور اس کے جسمانی نشیب و فراز کی حشرسامانیاں ایک عرصے تک مجھے گدگداتی رہی تھیں۔ وہ حسن اپنی مثال آپ تھا۔ وہ کسی جنگل میں کھلے ہوئے اس گلاب کی مانند شگفتہ، تروتازہ تھی جس کی ٹہنی کی لچک تک کسی کے ہاتھ کی دسترس نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اسے چھونے کی درخواست کی تھی لیکن اس نے ایک ادائے دلبرانہ کے ساتھ مجھے میرے ارادے سے روک دیا تھا۔ اسی نے مجھے باور کرایا تھا کہ جب ایک پراسرار قوت کسی دوسری قوت سے ٹکراتی ہے تو ان میں ایک جل کر راکھ بن جاتی ہے۔ اس نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ میں داور کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔

میرا ذہن ایک بار پھر ماضی کی خوابناک گزرگاہوں میں بھٹکنے

aazzamm@yahoo.com

لگ۔ شنکر نے کاکا کی سوتی کو حاصل کرنے کی خاطر میرا سہارا لیا تھا۔ اسے اپنی تمام گندی قوتوں کے باوجود شاید اس بات کا علم تھا کہ میرے بغیر کاکا کی سوتی کو حاصل نہیں کر سکتا۔ پہلی بار جنا مجھے پہاڑیوں کے اس غار تک لے گئی تھی جہاں کنوارے کی شکل میں ایک دلدلی حصہ موجود تھا۔ جنا کے کہنے پر میں نے پہلی بار اس سوتی کو نکالا تھا لیکن وہ میرے ہاتھ سے پھسل کر نکل گئی تھی۔ دوسری بار شنکر کی موجودگی میں میں اسے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس وقت شنکر کی نگاہوں میں میں نے ایک مخصوص چمک دیکھی تھی جیسے ہفت اقلیم کی بیش بہا اور گراں قدر دولت اس کے ہاتھ آگئی ہو مگر شنکر نے کاکا کی سوتی کو چھونے کی ہمت نہیں کی تھی۔ "غالباً" اسے کاکا کی مہان شکتی کا علم تھا اسی لیے اس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں کچھ روز اس سوتی کو اس کی امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھوں۔ اسی دوران میں نہ جانے کس وقت اس طاقت کی دیوی نے مجھے اپنی نگاہ التفات کے قابل سمجھ لیا۔ وہ جسے حاصل کرنے کی خاطر پنڈت جسی دھر بھوکا پیاسا ایک پہاڑی گپھا میں بیٹھا چالیس روز کے جنتر منتر میں مگن تھا۔ وہی کاکا از خود مجھ پر مہربان ہو گئی تھی۔ اس نے متعدد بار مجھے سنگین خطرات سے بروقت نجات دلائی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے ہزاروں روپ ہیں۔

آخری بار میں نے ندیم کی موجودگی میں بیچ سڑک پر اس وقت اسے دیکھا تھا جب شنکر میرا قصہ پاک کرنے کے ارادے سے سامنے آیا تھا لیکن کاکا نے اسے ڈس لیا تھا۔ اس کے بعد دیوی دیوتاؤں نے اس پر قید کی سختیاں بڑھا دی تھیں۔ کئی بار میرے آواز دینے پر بھی اس کی سمت سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

آج پھر اس کے تصور کی دبی دبی چنگاریاں میری رگ و پے میں سرایت کر رہی تھیں۔ اس کے جسم سے اٹھتے ہوئے خوشبو کے معطر جھونکے میرے اوپر طلسماتی اثرات مرتب کر رہے تھے۔ میں بے خودی کے عالم میں سرشار تھا پھر میں نے اپنے شبہات کی تصدیق کی خاطر اسے ہلکے سے آواز دے کر پوچھا۔

"کاکا ... کیا تم اس وقت جسمانی طور پر میرے کہیں قریب موجود ہو۔"

"مجھے وشواس تھا۔" میرے کانوں میں کسی مندر کی کنواریوں کی بجائی ہوئی گھنٹیوں کی جھنکار گونج اٹھی۔ "مجھے وشواس تھا کہ تم اپنی کاکا رانی کو بھولے نہیں ہو گے۔"

"تم میری محسنہ ہو۔ میں تمہارے ان گنت احسانات کا مقروض ہوں۔ بھلا میں تمہیں کیسے فراموش کر سکتا ہوں۔"

"تمہاری یہی باتیں قید میں ہونے کے باوجود میرے شریر کو گدگداتی رہتی تھیں۔" اس نے مترنم لہجے میں جواب دیا۔ میں اس کی سانسوں کی تپش اور مہکار کو اپنے گالوں پر محسوس کر رہا تھا۔

"کاکا رانی۔" میں نے بے خودی کے عالم میں اسے مخاطب کیا۔ "کیا میں تمہیں اسی سندر شریر میں دیکھ سکتا ہوں جس میں ایک بار پہلے دیکھا تھا۔" "میں تمہیں نراش نہیں کروں گی۔" اس کی سانسیں گرم رفتار ہونے لگیں۔

میں نے نظر گھما کر دیکھا۔ وہ میرے برابر سیٹ پر بیٹھی مجھے قاتل نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی رعنائیاں اس کا حسن اس کے گداز جسم کا ایک ایک زاویہ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت نظر آیا تھا۔ وہ عمر خیام کی تخلیق کردہ ایک ایسی شریر تصویر بنی بیٹھی تھی کہ اگر میں اسے ہاتھ لگاتا تو اس کے میلا ہو جانے کا اندیشہ لاحق تھا۔

اس کے جسم پر حریری لباس کچھ یوں چپک کر رہ گیا تھا جیسے اسے کاکا کے گوشت پوست سے ایک لمحے کی جدائی بھی منظور نہیں تھی۔ پہلے وہ ایک طلسم تھی۔ اب طلسم ہوش ربا بن گئی تھی۔ اس کی ایک ایک ادا کے بانکپن پر سیکڑوں زندگیاں قربان کی جا سکتی تھیں۔ اس کی ناگن زلفیں ہوا کے جھونکوں کے ساتھ اس کے بدن سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔ اس کی نگاہوں میں ایک سحر تھا۔ میں اس سحر میں ڈوبنے لگا پھر اس کے گداز لبوں کو جنبش ہوئی۔ اس کی مدھر آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"سنبھلو شہباز۔ ورنہ تم کسی حادثے سے بھی دوچار ہو سکتے ہو۔"

میں اس کی آواز پر چونکا۔ اس نے بروقت میری مدد کی تھی۔ ایک لمحے کی دیر ہو جاتی تو شاید میں ایک بڑے حادثے سے دوچار ہو گیا ہوتا۔ میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے شکوہ کیا۔

"کاکا۔ تم نے مجھے اپنی جدائی سے بہت تڑپایا ہے۔"

"میں خود بھی تڑپتی رہی ہوں۔" اس کے جواب میں وارفتگی شوق کی فراوانی موجود تھی۔

"میں نے کئی بار تمہیں آوازیں دیں لیکن ..."

"میں مجبور تھی۔" اس نے اپنی مجبوری کا احساس دلایا۔ "دیوی دیوتاؤں نے میری زبان پر تالے ڈال دیے تھے۔"

"کاکا۔" میں نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔ "کہیں اس وقت میں جاگتی نظروں سے کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا۔"

"نہیں۔" اس کی آواز میں شراب کے ساغر کھنک اٹھے۔ "میں اس سمے سپنا نہیں ایک زندہ روپ میں تمہارے ساتھ موجود ہوں لیکن ..." وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی تو میں تڑپ اٹھا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئیں کاکا رانی۔ بولتی رہو۔ تمہاری مدھر آواز میرے ذہن کو سکون بخش رہی ہے۔"

"شہباز۔" اس نے جھکتے ہوئے انداز میں کہا۔ "میرے بس میں ہوتا تو میں تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ کر ... وشواس دلا سکتی کہ کاکا کل بھی تمہاری تھی۔ آج بھی تمہاری ہے۔"

"اور کل کیا ہو گا۔" میں نے بے چینی سے سوال کیا۔

"کل کیا ہو گا یہ کیول بھگوان اور مہان شکتی پراپت کرنے والے دیوی دیوتاؤں کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔"

"کیا تمہیں قید سے رہائی مل گئی ہے۔"

"نہ ملتی تو اچھا تھا۔" وہ عجیب انداز میں بولی۔ اس کے جواب میں کنوارپنے کی تشنگی کی تڑپ موجود تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔" میں یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"دیوی دیوتاؤں نے مجھے اپنی قید سے آزاد کر دیا ہے پرنتو میری کچھ شکتیاں چھین لی ہیں اور۔"

"اور کیا۔"

"یہ سب تمہارے کارن ہوا ہے۔" کاکا نے مخمور انداز اختیار کیا۔ "لیکن میرے لیے یہی بہت ہے کہ میں تمہیں اب قریب سے دیکھ سکتی ہوں۔ تم سے کھل کر باتیں کر سکتی ہوں۔"

"کیا اب تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔" میں نے عالم اضطراب میں کہا۔ "تم سے جدا ہو جانے کے بعد مجھے بڑے نقصان اٹھانے پڑے ہیں۔ میرے دشمنوں نے مجھے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ وہ میرے وجود کو اس دھرتی پر برداشت نہیں کر سکتے۔ میرے پتا کو ان ہی پلید قوتوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میرے گودام میں آگ لگا کر مجھے مالی نقصان پہنچایا اور اب وہ میری ماں کو مارنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"پاگل مت ہو میرے من مندر کے دیوتا۔" کاکا نے پہلی بار مجھے اتنے پیار بھرے انداز میں مخاطب کیا۔ "کالی شکتیاں تمہاری ماں کو مارنے کا جو سپنا دیکھ رہی ہیں وہ کبھی پورا نہیں ہو گا۔ میں پہلے آزاد ہو گئی ہوتی شاید وہ تمہارے پتا کے قریب بھی جانے کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں۔"

"لیکن تمہاری قوتیں ..."

"نراش مت ہو شہباز۔ کنول گندے پانی میں بھی اپنی سندرتا برقرار رکھتا ہے۔ گلاب کا پھول ٹہنی سے ٹوٹنے کے بعد اپنی مہکار نہیں کھوتا۔ تم کسی ہیرے کو گندگی میں پھینک دو لیکن اس کی چمک اور قیمت قائم رہتی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"مرا ہوا ہاتھی بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔ تم نے یہ مثال ضرور سنی ہوگی۔" کاکا نے مجھے دلاسہ دیا۔ "میں تمہاری اور (طرف) سے ابھی کچھ دنوں تک کوئی جوابی کارروائی کرنے سے مجبور ہوں پرنتو تمہیں کسی بھی پیش آنے والے خطرے سے آگاہ کر سکتی ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے دشمن میری موجودگی میں تمہارے قریب آنے کی کوشش ہی نہ کریں۔"

"وقت کی گردش اب بڑی تیز و تند ہو گئی ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "وہ جب تک مجھے تباہ نہیں کریں گی آرام سے نہیں بیٹھیں گی۔"

"تم تو شکاری ہو شہباز۔" اس نے مجھے احساس دلایا۔ "نراشا کی باتیں تمہیں شوبھا نہیں دیتیں۔"

"اگر وہ کھل کر کسی چٹان کے روپ میں بھی میرے سامنے آجائیں تو میں ان سے ٹکرانے کی ہمت رکھتا ہوں لیکن بزدلوں کی طرح چھپ چھپا کر میری پیٹھ میں خنجر اتارنے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ مرنے کے بعد بھی شیر کی اپنی ایک دہشت طاری رہتی ہے۔ تمہاری کاکا رانی تو ابھی زندہ ہے۔" اس نے میرے احساس کو سہارا دیا۔

"ایک بات بتاؤ گی کاکا۔"

"پوچھو۔"

"کیا شنکر کی گندی روح ابھی تک اس دنیا میں بھٹکتی پھر رہی ہے؟"

"بھول جاؤ اس پاپی کو۔" کاکا نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "جس کو کاکا ایک بار ناگن بن کر ڈس لے اس کی آتما کو سورگ میں بھی ایک پل کا چین نہیں مل سکتا۔ شنکر تو کیول راستے کا پتھر تھا جسے تمہاری کاکا نے ٹھوکر مار کر ہٹا دیا۔"

"پنڈت جسی دھر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا وہ ابھی تک لیڈی مکارنس کی قید میں ہے۔"

"ہاں۔" کاکا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "سفید چمڑی کی وہ بد صورت ناری بھی اپنے اندر ایک مہان شکتی رکھتی ہے۔ ایسی شکتی جس کو پراپت کرنے کے کارن منش کو برسوں جاپ کرنا پڑتا ہے۔"

"کیا وہ تم سے بھی مہان ہے۔" میں نے پوچھا۔

"سمے کا انتظار کرو شہباز۔ میری شکتی مجھے واپس مل جائے تو میں تمہیں بتاؤں گی کہ کون کتنے پانی میں ہے۔"

"موہنی اور کومل ورما کے بارے میں تم کیا کہو گی۔" میں نے اسے کریدا۔

"کومل ورما نردوش تھی۔ وہ اجلے من اور سندر شریر کی مالک تھی پرنتو تم نے موہنی کا راز جاننے کی خاطر اسے مار ڈالا۔" کاکا نے کہا۔ "رہا موہنی کا سوال تو وہ ایک چھایا ہے جو کسی اور کے اشارے پر ناچ رہی ہے۔"

"کیا تم اسے نشٹ نہیں کر سکتیں۔"

"مجھے مجبور مت کرو شہباز۔" وہ بڑی عاجزی سے بولی۔ "میں اس چھایا اور اس کے پیچھے چھپے ہاتھ کو بھی نرک میں جھونک سکتی ہوں لیکن جانتے ہو اس کے بعد کیا ہو گا۔"

"کیا ہو گا؟" میں نے اضطراب کے عالم میں دریافت کیا۔

"مجھے ایک بار پھر قید کر لیا جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ میری

aazzamm@yahoo.com

آتما کو ہمیشہ کے لیے اسی مورتی کے روپ میں بند کردیا جائے جسے شنکر نے تمہارے ذریعے حاصل کیا تھا پھر میں بھی کوئی اور روپ نہیں دھار سکوں گی۔ پرنتو تم اگر چاہو تو تمہاری کالکا رانی اپنے جیون کا بلیدان بھی پیش کرسکتی ہے۔"

"نہیں کالکا نہیں۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "تم میرے پاس رہو میرے لیے یہی بہت ہے۔"

"کیا کرو گے تم اپنی کالکا کو اپنے پاس رکھ کر۔" اس نے ایک بار پھر اپنے سندر شریر اور آواز کا جادو جگایا۔ "جو شریر تمہارے مضبوط بازوؤں میں سمٹ کر کسمسا نہ سکے اس کے ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ میں تمہاری نگاہوں کے سامنے رہی تو تمہارا انگ انگ پیاس کی شدت سے سلگتا رہے گا اور میرے شریر کی اگنی مجھے اندر ہی اندر جھلساتی رہے گی۔ آگ اور پٹرول کا ساتھ کسی بھی ے سب کچھ جلا کر راکھ کرسکتا ہے۔"

"تمہارے قرب کو حاصل کرنے کی خاطر میں اپنی پیاس کو بھی اپنے دل کی گہرائیوں میں دفن کرلوں گا۔"

"میں جانتی ہوں۔" کالکا نے ایک قہر شکن انگڑائی لی تو اس کے حسین جسم کی رعنائیاں اور قیامت خیز بن گئیں۔ بڑے پیار بھرے لہجے میں بولی۔ "من تو یہی چاہتا ہے کہ سارا جیون تمہاری پلکوں کے چھاؤں تلے بتادوں لیکن۔"

"لیکن کیا۔"

"میں اب تم سے اجازت لوں گی۔"

"اتنی جلدی۔"

"ہاں۔ میں ایسا کرنے پر مجبور ہوں پرنتو تم پریشان مت ہو۔" اس نے مجھے یقین دلایا۔ "میں پھر تمہارے پاس آؤں گی۔ تم سے دور رہ کر میری آتما کو بھی چین نہیں ملتا۔"

"کالکا۔" میں نے اسے یاد دلایا۔ "تم نے مجھے وچن دیا ہے کہ ہر خطرے سے مجھے آگاہ کرتی رہوگی۔"

"ہاں شہباز۔" وہ بڑے پیارے انداز میں بولی۔ "میں اپنا وچن یاد رکھوں گی پرنتو تمہیں بھی میرے کارن ایک بلیدان دینا ہوگا۔"

"وہ کیا۔"

"بات پرانی ہے اس لیے تم شاید بھول گئے ہو۔" اس نے شکوہ کیا۔ "میں نے کہا تھا کہ اگر تم نے کبھی کسی کو اپنی پتنی بنایا تو کالکا سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

پھر اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا وہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کو سمیٹ کر میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ اس کے نگاہوں سے اوجھل ہوجانے کے بعد بھی میں تادیر اس کے حسین تصور سے کھیلتا رہا۔

*

میں دفتر پہنچا تو خلاف توقع ندیم کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس

رومانی ناول

دل کا آنگن	سلمیٰ رعنا	-/75
کالے کنول	سلمیٰ رعنا	-/75
اور دیا جلتا رہا	سلمیٰ رعنا	-/100
موج گرداب	سلمیٰ رعنا	-/100

مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

روز بروز بات حیران کن ثابت ہو رہی تھی۔ پنڈت نے مجھے یقین دلایا تھا کہ کومل ورما مرنے کے باوجود اسی کے دفتر میں کام کررہی تھی۔ اب اس نے ایک پراسرار صورت اختیار کرلی تھی۔ پنڈت کے سوا وہ کسی اور کو نظر نہیں آتی تھی۔ آج ہی کالکا کی میٹھی آواز نے مجھے دوبارہ میرے سامنے میرے پسندیدہ روپ میں آئی تھی اور آج ہی میں ندیم کو اپنے دفتر میں دیکھ رہا تھا۔

میں نہیں چاہتا تھا کہ ندیم لندن سے واپس لوٹے۔ وہ میرا دوست تھا لیکن اس نے اپنے لیے جو راہ منتخب کی تھی اس نے اسے انتہا پسند بنا دیا تھا۔ وہ بنا کسی خوف و خطر خطرات سے کھیلنے کا عادی تھا۔ میری خاطر وہ اپنی زندگی بھی قربان کرسکتا تھا لیکن میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ جب وہ تنہا تھا تو اور بات تھی لیکن اب نسیم کی زندگی بھی اس کی ساتھ شامل ہوگئی تھی اس کے علاوہ اب میں تنہا ان پراسرار قوتوں سے نپٹنا چاہتا تھا جو میرے خلاف قدم قدم پر گڑھے کھود رہی تھیں۔ نوئی ابھی تک ہسپتال میں تھا۔ میں نے گودام میں لگنے والی آگ اور نوئی والے حادثے کی اطلاع ندیم کو جان بوجھ کر نہیں دی تھی۔ نسیم کے ساتھ میرا کوئی خونی ناتا نہیں تھا پھر بھی میں نے اسے ایک بھائی کا پیار دیا تھا۔ اس کو گندگی سے نکال کر کھلے ماحول میں سانس لینے کا عادی بنا دیا تھا۔ اس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں اس کے خلاف کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ندیم نے اس سے شادی کرکے میرے خوابوں کی تکمیل کردی تھی۔ اس نے نسیم کو جو تحفظ دیا تھا میں اسے برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

"تم۔" میں نے ندیم کے ساتھ گرم جوشی سے گلے ملتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں۔" ندیم نے سنجیدگی سے میری آنکھوں میں جھانکا۔ "کیوں؟ کیا تمہیں میری واپسی پر خوشی نہیں ہوئی۔"

"نسیم کہاں ہے؟" میں نے اس کی نگاہوں کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے دریافت کیا۔ "کیا وہ بھی تمہارے ہمراہ آئی ہے؟"

"نہیں۔ میں نے اسے ساتھ لانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ لندن میں زیادہ محفوظ رہے گی۔"

"تمہارے ساتھ اور کون کون آیا ہے۔ میرا مطلب ہے راجو اور ماریا۔ مونا یا جولی کہاں ہیں۔"

"وہ سب لندن ہی میں ہیں۔ میں تنہا آیا ہوں۔" ندیم سنجیدہ تھا۔

"کوئی خاص کام تھا یہاں۔"

"ہاں۔"

"مجھے فون کردیا ہوتا۔"

"میں نے تمہیں تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا۔" ندیم سپاٹ آواز میں بولا۔

"کیوں۔ کیا وہ کام۔"

"میں اس وقت نوئی سے مل کر آرہا ہوں۔" ندیم ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ "وہاں دانش سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی۔ میرے بے حد استفسار پر اس نے گودام میں ہونے والی کہانی دہرائی تھی۔"

"بزنس میں اتار چڑھاؤ اور نفع نقصان ہوتا ہی رہتا ہے۔" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

"انکل کی موت کو تم کیا کہو گے۔ نفع یا نقصان۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "مجھے اب زیادہ بہلانے کی کوشش نہ کرنا۔ میں اس ہسپتال کے ان ڈاکٹروں سے بھی مل چکا ہوں جہاں انکل کی موت واقع ہوئی تھی۔"

"میں نے جان بوجھ کر تمہیں ان حالات کی اطلاع نہیں دی تھی۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جو نقصان ہوچکا اب اس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔"

"لیکن ان راستوں کو تو بند کیا جاسکتا ہے۔ جس راہ سے یہ تباہیاں آرہی ہیں۔" ندیم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "سردی کی لہر آتی ہے تو انسان کھڑکیاں اور دروازے بند کردیتا ہے۔ سرد ہوا کے جھونکوں کو برداشت کرنا میرے خیال میں دانشمندی نہیں کہا جاسکتا۔"

"میں تمہاری باتوں کو سمجھ رہا ہوں لیکن ہواؤں پر تلوار یا کسی خودکار رائفل سے گولیاں بھی نہیں برسائی جاسکتیں۔"

"میں تمہارے خیال کی تائید نہیں کروں گا۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیا جائے تو دشمن قوتیں اور سر ابھارنے لگتی ہیں۔"

"اس کے باوجود تم پراسرار اور نادیدہ قوتوں سے سامنے کوئی بند نہیں باندھ سکتے۔"

"یہ محض تمہارا خیال ہے۔ میرا نہیں۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہوگیا۔ "ترجن لال کی موت کے بعد یہی نادیدہ قوتیں کچھ عرصے کے لیے خاموش ہوگئی تھیں پھر ہماری غفلت نے انہیں دوبارہ سر اٹھانے کا موقع فراہم کردیا ہے۔"

"مگر۔۔۔"

"تم جسے بے بسی کا نام دے رہے ہو میں اسے ایمان کی کمزوری سے تعبیر دوں گا۔" ندیم نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "کیا تم موت کو ٹال سکتے ہو؟ نہیں، لیکن اس کے عذاب اور عتاب سے بچنے کے ہزاروں طریقے ہیں۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں زہد و تقویٰ کا اتنا پابند نہیں ہوں جتنا دوسرے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کی ذات پر مکمل یقین رکھتا ہوں۔ اسی یقین نے میرے بازوؤں کو قوت بخشی ہے۔ ایمان مستحکم ہو، قدم متزلزل نہ ہوں تو کوئی بلا اور نادیدہ قوتیں بھی ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں جس کاروبار میں ملوث ہوں اس پر قدم قدم پر موت کا ہولناک رقص جاری رہتا ہے۔

میرے راستے میں بھی بے شمار رکاوٹیں ہیں۔ اندھیرے میں کوئی سنسناتی ہوئی گولی میرے جسم اور روح کے تعلق کو ہمیشہ کے لیے ختم کرسکتی ہے لیکن میں موت سے نہیں ڈرتا۔ اس کے لیے نیلی چھتری والے نے جو وقت مقرر کردیا ہے اسے دنیا کی بڑی سے بڑی قوت بھی نہیں ٹال سکتی، لیکن اگر ہم موت سے خوفزدہ ہوکر بیٹھ جائیں تو ہماری صلاحیتیں زنگ آلود ہوجاتی ہیں اور شاید ہم خود اپنی موت کے لیے راہ ہموار کردیتے ہیں۔ تم نے کبھی ان دہشت گردوں کے بارے میں سوچا ہے جو بڑی بے رحم اور سفاک القلب ہوتے ہیں۔ بھرے بازار میں ہزاروں آدمیوں کے بیچ وہ جسے چاہتے ہیں اس کا جسم گولیوں سے چھلنی کردیتے ہیں۔ لیکن ان کو پکڑنے کے لیے کوئی سامنے نہیں آتا۔ جانتے ہو کیوں؟ جب کہیں کسی بازار میں ایک بھی گولی چلتی ہے تو انسان پر خوف کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ وہ مجرم کو پکڑنے کے بجائے اپنی زندگی بچانے کی خاطر پناہ کی تلاش میں بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اس کا یہی خوف اور بزدلی دہشت گرد کو اور طاقت ور بنا دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر عوام کا ریلا ان پر ٹوٹ پڑے تو دس بارہ یا پچیس پچاس لاشیں ضرور گریں گی لیکن جو بچے رہیں گے انہیں ہمیشہ کے لیے ان سے چھٹکارا مل جائے گا لیکن شاید وہ بھی تمہاری طرح سوچنے کے عادی ہیں۔ ان کے اندر اتحاد نہیں ہے۔ یقین کی کمی ہے۔ موت کا تصور ان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کردیتا ہے۔ رسی کے دھاگے اگر الگ الگ کردیے جائیں تو کوئی بچہ بھی اسے طاقت کے زور پر توڑ دے گا لیکن اگر وہ مضبوطی سے آپس میں گتھے رہیں تو دوسروں کے لیے پھانسی کا پھندا بھی ثابت ہوسکتی ہیں۔ تم نے مجھے حالات سے بے خبر

aazzamm@yahoo.com

رکھنے کی کوشش کی۔ کیوں؟ شاید اس لیے کہ تم مجھے خطرات سے دور رکھنا چاہتے تھے لیکن کیا تم نے کبھی یہ بھی سوچنے کی زحمت گوارا کی ہے کہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو مجھے کتنا دکھ ہوتا۔ نسیم کے دل پر کیا گزرتی۔ آنٹی کا کیا حال ہوتا؟"

ندیم کی دلیلوں میں وزن تھا۔ میں خاموش بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہا۔ اس کے دل میں غبار بھرا تھا۔ وہ اس بوجھ کو ہلکا کرتا رہا۔ "وقت اور حالات کے علاوہ ذاتی نمائش اور خود غرضی نے بھی ہمارے جذبے کو کمزور کر دیا ہے۔ پہلے جب پورا خاندان ایک چھت کے نیچے زندگی گزارنے کا عادی تھا اس وقت پاس پڑوس کا کوئی آدمی یا چور اچکے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے لیکن جیسے جیسے دولت کی چمک نے آنکھیں خیرہ کیں۔ لوگ علیحدہ ہوتے گئے۔ اپنے اپنے خوبصورت بنگلوں اور فلیٹوں میں منتقل ہونے لگے۔ ہمارے درمیان اخوت اور یک جہتی کے بجائے خود آپس میں ایک دوسرے سے مقابلہ بازی شروع ہو جاتی ہے۔ خون کے رشتے بھی آپس میں حسد کرنے لگتے ہیں تو بیرونی قوتیں انہیں فردا" فردا" مارنے میں زیادہ آسانی سے کامیاب ہو جاتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے تم اب اچھی خاصی تقریر کر چکے ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے ندیم کو ٹوکا۔ "چلو" میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔"

"غلطی تسلیم کرتے ہو بفراخ دلی دم تو پھر آج سے یہ بھی محسوس کرنے کی عادت ڈالو کہ دوستی کا رشتہ عام رشتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ مقدم ہوتا ہے۔ سچا اور مخلص دوست وہی ہوتا ہے جو وقت پر کام آئے۔"

"یہ بھی تسلیم۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب یہ بتاؤ کہ تمہیں تمام حالات کی خبر کس طرح ہو گئی تھی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ یہاں میرے کیسینو میں جو آدمی کام کرتے ہیں کیا وہ سب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔" ندیم نے مجھے گھورا۔ "جب انکل کی موت واقع ہوئی تھی تو میں اسے طبعی حادثہ سمجھا تھا لیکن جب تمہارے گودام میں آگ لگی۔ ماسٹر ٹونی کے ہاتھ کے بعد اس کی ٹانگ کٹنے کا نمبر آیا تو مجھے تمہاری باتوں پر شبہ ہونے لگا چنانچہ میں نے اپنے ایک خاص آدمی کو حالات اور واقعات معلوم کرنے پر تعینات کر دیا اور آج اسی کی فراہم کردہ اطلاعات پر میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ بک بک کر رہا ہوں لیکن تم نے ابھی تک ایک کپ کافی کو بھی نہیں پوچھا۔ یہ بھی نہیں بتایا کہ مس عارفہ اب کیسی ہے۔ ہے بھی یا تمہاری سرد مہری سے تنگ آکر چھٹی کر گئی۔" ندیم آہستہ آہستہ خوش گفتاری کی سمت واپس آرہا تھا۔

"گو مت۔ تم اب شادی شدہ ہو۔" میں نے انٹرکام کا بزر بجا کر عارفہ سے کافی بھیجنے کو کہا۔

جاوید اقبال، سدھیر در اور ورشن
کے شوخ کارٹونوں کے ساتھ

جا بیل اُسے مار (طنزو مزاح)

★---- اعتبار ساجد

قیمت : -/75 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

"اچھا۔ اب یہ بتاؤ کہ میدان جنگ کا تازہ ترین نقشہ کیا ہے۔"

"ترنجن لال کے بعد اب پر اسرار قوتیں بے شنکر پانڈے نامی ایک کنسٹرکشن کمپنی کے مالک کے لیے میرے خلاف بر سر پیکار ہیں۔"

"بے شنکر پانڈے کو بھی راستے سے ہٹا دو۔ ان کا زور پھر ٹوٹ جائے گا۔" ندیم نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "میں آج کی اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگا دیتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ تین روز کے اندر تمہارے شنکر جی کا بھی تیا پانچا ہو جائے گا۔"

"نہیں۔ فی الحال تم ایسی کوئی حماقت نہیں کرو گے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "پانڈے کا والد صاحب سے بھی خاصہ میل جول تھا۔ بظاہر وہ ایک اچھا انسان ہے اور خود بھی بہت پریشان ہے۔"

"کیا مطلب۔" ندیم چونکا۔ "جب گنگا دی تو تم اس کی مدد کر رہی ہیں تو پھر اس کی پریشانی کا کیا سبب ہے؟"

جواب میں میں نے والد صاحب کی موت سے لے کر پانڈے

سے اپنی آخری ملاقات تک کی تمام تفصیل دہرادی۔ صرف کالا کی دوبارہ آمد کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے کمبل پوش کی نوازشوں کا ذکر بھی کیا لیکن اس صندلی انگوٹھی کے راز کو ان بزرگ کے حکم پر رازہی رکھا۔

"گڈ۔" ندیم پوری تفصیل سننے کے بعد کافی کا طویل گھونٹ لے کر بولا۔ "تم نے پانڈے کے پروجیکٹ کو تباہ کرکے مردانگی کا ایک کام تو کیا۔"

"لیکن وہ بے قصور ہی ہے۔"

"ہوا کرے۔" ندیم نے بے پروائی سے کہا۔ "محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔"

"تم اس سے ملو گے تو شاید تمہیں بھی اس کے نقصان پر دکھ ہو گا۔"

"ایک بات بتاؤ۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "کیا تمہیں کول ورما کے سلسلے میں پانڈے کی بات کا یقین آگیا ہے۔"

"نہ یقین کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "خود میں بھی اس کی دہری اور پر اسرار شخصیت سے پریشان ہوں۔"

"تمہارا کیا اندازہ ہے۔ کول ورما یا موہنی کی پشت پر کون سی پر اسرار شخصیت کام کر رہی ہے۔"

"میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ایک بار ایسا ہوا تھا کہ محض چند منٹ کے وقفے کے بعد مجھے موہنی اور لیڈی ملارنس کے فون ملے تھے اور دونوں نے مجھے ایک ہی مشورہ دیا تھا کہ میں اگر مجھے زندگی عزیز ہے تو اسی کو لے کر کہیں دوسرے ملک میں چلا جاؤں۔"

"یہ محض ایک اتفاق بھی ہو سکتا ہے۔"

"اور یہ بھی ممکن ہے کہ موہنی اور لیڈی ملارنس ایک ہی شخصیت کے دو مختلف روپ ہوں۔" میں نے دبی زبان میں جواب دیا۔

ندیم کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اچانک سراج کمرے میں داخل ہوا۔ ندیم کو دیکھ کر وہ بھی چونکا تھا۔ کچھ دیر تک ہمارے درمیان رسمی گفتگو ہوتی رہی پھر سراج نے مجھ سے پوچھا۔

"آج صبح سے آپ کہاں غائب ہیں؟ میں کئی جگہ آپ کو فون پر تلاش کر چکا ہوں۔"

"خیریت۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا میرا شمار بھی ایسے مجرموں میں کر لیا گیا ہے جن پر اپنی نقل و حرکت کے بارے میں پولیس کو مطلع کرنے کی پابندی عائد ہوتی ہے۔"

"ابھی تک اس کی نوبت نہیں آئی۔"

"گویا آئندہ کے لیے ایسے خدشات موجود ہیں۔" ندیم نے سوال کیا۔

"ہو بھی سکتا ہے۔" سراج نے عجیب معنی خیز انداز میں جواب دیا پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "آپ نے کہا تھا کہ جس روز پانڈے کی چار منزلہ عمارت مسمار ہوئی تھی اس روز آپ شام سات بجے کے بعد سے گھر پر ہی تھے۔"

"جی ہاں۔" میں بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"ارجن نے اقبال جرم کر لیا ہے۔" سراج نے مجھے تیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کا کہنا ہے کہ پانڈے کے پروجیکٹ کو اسی نے بم سے اڑایا تھا لیکن اس نے ایسا اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا۔"

"پھر؟"

"اس نے مجسٹریٹ کے روبرو جو بیان دیا ہے اس کے مطابق آپ نے پرسل جیلسی (ذاتی اختلاف) کی بنیاد پر اسے اس کام کے لیے مامور کیا تھا اور اس کے عوض ارجن کو پچاس ہزار روپے دیے تھے۔"

"آئی سی۔" میں نے زہر خند جواب دیا۔ "گویا اس بار پھر وہی کہانی دہرائی جا رہی ہے جو اس سے پہلے بھی آپ کو سنائی گئی تھی۔"

"میں آپ کی بات کا مطلب بھی سمجھ رہا ہوں لیکن پولیس کے لیے ضابطے کی کارروائی بھی ضروری ہوتی ہے۔" سراج نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن آپ محض ایک مجرم کے بیان پر کسی کو گرفتار تو نہیں کر سکتے۔" ندیم نے سراج کو مخاطب کیا۔

"پولیس کیا کر سکتی ہے اور کیا نہیں۔ یہ ہم آپ سے زیادہ بہتر طور پر جانتے ہیں۔" سراج کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا۔ "آپ اگر اس معاملے میں۔۔۔"

"مسٹر سراج۔" ندیم نے سراج کے جملے کو کاٹتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں حکومت کو ایک سال میں جتنا انکم ٹیکس ادا کرتا ہوں اتنی شاید آپ کی تین سال کی تنخواہ بھی نہ ہوتی ہو گی۔ میں قانون کی نگاہوں میں ایک معزز شہری ہوں جسے سکون سے سانس لینے کے تمام بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ آپ کو غالباً" اس بات کا علم بھی ہو گا کہ میں شہباز کے دوستوں میں سے ہوں۔ اس لیے دنیا کا قانون میرے وجود کو شہباز کی ذات سے الگ نہیں کر سکتا۔"

"مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کا کاروبار کس نوعیت کا ہے۔" سراج نے طنزاً" کہا۔

"اس کے باوجود آپ کے قانون نے بھی میرے قریب پھٹکنے کی جرات نہیں کی۔" ندیم نے سراج کی جھلاہٹ پر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ اس کی وجہ جاننا پسند کریں تو میں ایسے افراد کے نام بھی گنوا سکتا ہوں جن کے کمرے میں آپ کو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت بھی نہیں ہوتی جبکہ میں وہاں میز پر ٹانگیں پھیلا کر بھی آرام کر سکتا ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"مسٹر ندیم۔" سراج تلملا اٹھا۔ "آپ بلا وجہ بات کو بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں اسے بھی آپ کی تنگ نظری کہوں گا۔" ندیم نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "میں صرف آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ جس طرح آپ ایک مجرم کے بیان پر شہباز کو مشکوک سمجھ رہے ہیں۔ اسی طرح شہر کے کچھ بڑے اور معزز لوگوں کے بیان پر آپ پر بھی اس بات کا شبہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ محض میرے دوست کو کسی اور کے اشارے پر ایک غلط اور بے بنیاد کیس میں الجھانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے عوض۔۔۔"

"مسٹر ندیم۔" سراج کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ "آپ میری ایمانداری پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"یہی جملہ شہباز کی جگہ اگر میں ہوتا تو میں بھی آپ سے کہہ سکتا تھا۔ رہا ثبوت۔ تو ثبوت اور گواہ بہ آسانی پیش کیے جا سکتے ہیں۔"

"ندیم۔" میں نے ندیم کو روکنے کی کوشش کی پھر سراج سے بولا۔ "پلیز مسٹر سراج آپ میرے دوست کی بات کا برا نہ مانیے گا۔"

"میں آپ کو یہاں ہراساں یا اپنی تحویل میں لینے کی غرض سے نہیں آیا تھا۔" سراج نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "صرف ارجن کے بیان سے آگاہ کرنے آیا تھا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ارجن نے وہ بیان کسی نادیدہ قوت کے اشارے پر دیا ہو گا۔"

"پھر آپ کا کیا مشورہ ہے۔"

"میں آپ کو بھلا کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔" سراج نے ندیم کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ خود ایک پولیس آفیسر رہ چکے ہیں۔ ایسی صورت میں کسی کو کیا کرنا چاہیے یہ آپ بھی بخوبی جانتے ہیں۔"

پھر سراج وہاں زیادہ دیر نہیں رکا تھا۔ ندیم کی وجہ سے اس نے میرے بے حد اصرار کے باوجود کافی بھی نہیں پی۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے سراج کو بلا وجہ ناراض کر کے اچھا نہیں کیا۔"

"تم اس کی مطلق پروا نہ کرو۔ اس قسم کے افسر میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں۔" ندیم نے بے پروائی سے جواب دیا پھر ہمارے درمیان وہی باتیں شروع ہو گئیں جو سراج کے آنے سے قبل ہو رہی تھیں پھر ندیم مجھ سے رات کو ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

"شہباز۔" ندیم کے جانے کے بعد کالکا کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "تم بالکل پریشان مت ہو۔ میں تمہارے اور سراج کی باتیں سن چکی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ارجن نے میرے خلاف جو زہر اگلا ہے وہ موہنی یا کومل ورما کے کہنے کا نتیجہ ہے۔"

"کومل ورما کو بھول جاؤ۔ اب کیول موہنی کی آتما تمہیں پریشان کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"کیا اس کا نام موہنی ہے یا کوئی اور کسی طاقت نے اسے موہنی کا روپ دے رکھا ہے۔"

"ان چکروں میں مت پڑو۔ صرف اس سمے کا انتظار کرو جب تمہاری کالکا رانی کو اس سے چھینی گئی شکتیاں واپس دان کر دی جائیں گی۔"

"لیکن اس سے پہلے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی ہو گی۔"

"کالکا کے ہوتے ایسا نہیں ہو گا۔"

"جب تم سے تمہاری طاقت چھین لی گئی ہے تو پھر تم میرے لیے کیا کر سکتی ہو۔"

"تم شاید بھول رہے ہو۔ میں نے کہا تھا کہ ہاتھی مرنے کے بعد بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔" کالکا نے بڑے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ "ارجن نے مجسٹریٹ کی موجودگی میں وہ زہر کس کے کہنے پر اگلا ہے مجھے معلوم ہے مگر اب ارجن کو دوبارہ اپنا بیان بدلنا ہو گا۔ میں اس کے دماغ کو اس قابل ہی نہ چھوڑوں گی کہ وہ دوبارہ کچھ کہنے کے قابل رہ سکے۔"

"تم کس کس کا راستہ روکتی رہو گی۔ کس کس کا دماغ پلٹو گی کالکا رانی۔" میں نے ایک لمبی سانس لے کر کہا۔ "[illegible] تمہیں اتنی آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔"

"نراش مت ہو شہباز۔ میرے ہوتے ہوئے وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی۔"

"کیا تمہیں پہلے سے اس بات کا علم نہیں تھا کہ ارجن میرے خلاف بیان دے رہا ہے۔"

"نہیں۔ اس سمے میں کہیں اور تھی۔ پرنتو اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے ایک بات بتاؤ گے؟"

"پوچھو۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ پانڈے کو وہ بھاری نقصان کس نے پہنچایا تھا۔"

"تم۔" میں چونکا۔ "تم یہ سوال مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"جس دن اس کی عمارت تباہ ہوئی تھی اس دن تم اور دانش اس کے قریب گئے تھے۔" کالکا نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اس کے بعد دھوئیں کے بادل اس طرح چھا گئے تھے کہ تم اور دانش دونوں اس میں گم ہو گئے تھے۔"

"تمہیں اس بات کا پتا کیسے چلا؟"

"میں نے اس کی آتما کے من میں جھانک لیا ہے جو ارجن کو تمہارے خلاف بھڑکا رہی ہے۔" کالکا نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"تم مجھے کیول اتنا بتا دو کہ اس دن تم اور دانش اس عمارت کی طرف کیوں گئے تھے۔"

"یونہی۔" میں نے جلدی سے ایک خوبصورت بہانہ تراشا۔ "دانش نے اس عمارت کی بہت تعریف کی تھی۔ میں صرف دور سے اس کا ڈیزائن دیکھنے گیا تھا۔"

"پھر تم نے اپنے متر سراج کو یہ بیان کیوں دیا کہ اس روز سات بجے کے بعد تم اپنے گھر پر تھے۔"

"سراج ایک پولیس آفیسر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ ہر وقت مجھے کریدنے کی کوشش کرے۔" میں نے پھر دروغ گوئی سے کام لیا۔ "اسی لیے میں نے اسے ڈاج دینے کی کوشش کی ہے۔ میرا دوست ہونے کے باوجود مجھے مجرم سمجھ رہا ہے۔ مجھے علم ہے کہ اس نے مجھے کریدنے کی خاطر وہ سوال کیا تھا۔"

"بھول جاؤ ان باتوں کو۔ میں ارجن کی طرف جا رہی ہوں۔"

اس کے بعد میں نے کالکا کو کئی آوازیں دیں لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

☆

حسب وعدہ ندیم رات کو میرے گھر آیا۔ خاصی دیر تک وہ ماں کے پاس بیٹھا انہیں نسیم کی خیریت کے بارے میں بتاتا رہا۔ ان کی دلجوئی کی خاطر شرارت آمیز حرکتیں کرتا رہا اور لندن میں پیش آنے والی فرضی اور من گھڑت باتیں سناتا رہا۔ وہ میری ماں کے غم کے بوجھ کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی شخصیت کے دو پہلو تھے۔ ایک وہ جس میں وہ شخص ایک کیسینو کا مالک تھا اور نہایت بے رحمی سے اپنے دشمنوں کو راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹا دینے کے اصول کا پابند تھا۔ مجھے لندن کا واقعہ روز اول کی طرح یاد تھا جب ندیم نے نہایت دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ہارس اور ہاورڈ سے اپنے حساب کتاب کو چکتا کیا تھا۔ ہاورڈ نے ندیم کو مارنے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا وہی ان دونوں کی عبرتناک موت کا سبب بن گیا تھا۔ بریف کیس کھولتے ہی ان دونوں کے جسم کے چیتھڑے ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ فضا میں بکھر گئے تھے۔ ندیم کے اشارے پر جب اس کے دست راست راجو نے داور کا جسم گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا اس وقت بھی مجھے اس کی ذہانت کی داد دینی پڑی تھی۔ وہ ایک کے بدلے دو مارنے کے اصول کا قائل تھا۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کا عادی تھا۔ یہ اس کی زندگی کا ایک رخ تھا جس میں وہ انتہائی سفاک واقع ہوا تھا لیکن اس کے برعکس زندگی کے دوسرے رخ میں وہ ایک شریر اور کھلنڈرے بچوں جیسی حرکتیں کرتا نظر آتا تھا۔ اس کے دل میں نہ صرف یہ کہ دوسروں کے عزت و احترام کا جذبہ موجود تھا بلکہ وہ ایک ایسا انسان بھی تھا جو ضرورت مندوں کی مدد کر کے خوشی محسوس کرتا تھا۔

اس وقت وہ بالکل بچوں کی طرح اپنی معصوم حرکتوں اور باتوں سے میری ماں کو ہنسا رہا تھا پھر اچانک امی نے اسے بڑی سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ "شہباز میرے پیٹ کی اولاد ضرور ہے لیکن میں تمہیں بھی اتنا ہی پیار کرتی ہوں جتنا اسے کرتی ہوں۔"

"یہی تو آپ برا کرتی ہیں۔" ندیم نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ "میں شہباز کے مقابلے میں چونکہ زیادہ دبلا پتلا اور بھولا بھالا ہوں اس لیے مجھے آپ کے پیار، آپ کی ممتا اور آپ کی دعاؤں کی زیادہ ضرورت ہے۔ بہرحال آپ چونکہ ماں ہیں اس لیے میں اپنی حق تلفی پر کوئی احتجاج نہیں کروں گا۔"

"اچھا اب یہ شرارت کی بات ختم کرو اور کچھ دیر کے لیے سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"ہو گیا سنجیدہ۔" ندیم نے کہا پھر وہ واقعی بہت سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔ میں قریب ہی بیٹھا اس کی حرکتوں پر مسکرا رہا تھا۔

"تم شہباز کے دوست بھی ہو اور بھائی بھی۔"

"ورین چیک۔"

"لیکن تم نے ابھی تک شہباز کے بارے میں کبھی غور نہیں کیا۔"

"میں سمجھا نہیں آنٹی؟"

"باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد اب یہ ذمہ داری تمہارے اوپر عائد ہوتی ہے کہ تم اس کا گھر بسانے کی کوشش کرو۔" امی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے تو یہ اپنی باتوں میں اڑا دیتا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں آنٹی۔" ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر اس نے شرافت سے آپ کا کہنا نہ مانا تو بس اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اور قاضی جی سے نکاح کے دو بول پڑھوا کر دلہن والوں کے حوالے کر دوں گا پھر یہ جانے اور اس کے سسرال والے۔"

"مذاق میں مت ٹالو بیٹے۔" امی کی آواز میں ممتا کی خواہش تڑپ اٹھی۔ "میں چاہتی ہوں کہ مرنے سے پہلے اس کے سر پر سہرا دیکھ لوں۔"

"کوئی لڑکی ہے آپ کی نظر میں؟" ندیم پھر سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ تیار تو ہو پہلے۔" امی نے میری سمت پیار سے دیکھا۔ "اس کے لیے تو میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکیوں کا انبار لگا سکتی ہوں۔"

"آپ جو حکم دیں گی میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔" ماں کی دلجوئی کی خاطر میں نے ان کے شانوں پر سر رکھ دیا۔

کچھ دیر تک ندیم امی کے ساتھ بیٹھا میری شادی کے منصوبے بناتا رہا پھر وہ مجھے ساتھ لے کر باہر آ گیا جہاں اس کی گاڑی موجود تھی۔ میں خاموشی سے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے پھاٹک سے باہر نکالتے ہوئے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

پہلی مُحبّت کے آنسو

★ اے حمید

کیا سچی مُحبّت کرنے والے مرنے کے بعد بھی ایک دُوسرے سے ملتے رہتے ہیں؟ اس نے کہا تھا کہ میں موت کے بعد بھی تمہارا انتظار کروں گا۔ تم موت کے دروازے سے گزر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے پاس آجاؤ گی۔ دونوں ایک دوسرے کو جنون کی حد تک مُحبّت کرتے تھے۔۔۔۔ دونوں ایک دُوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے، لیکن ان کے درمیان زندگی کا سمندر حائل تھا۔

سچی اور پاکیزہ مُحبّت کی ایک انوکھی داستان جسے اے حمید کے رُومان پرور قلم نے لکھا۔

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2 — قیمت -/250 روپے

Scanned By Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

"میرا مشورہ ہے کہ اب تمہیں آنٹی کی خوشی کی خاطر ان کی بات مان لینی چاہیے۔"

"میں نے انکار کب کیا ہے لیکن ایسے حالات میں کہ جب کہ چاروں طرف سے مجھے گھیرا جا رہا ہے میں شادی بیاہ کی بات کیسے کر سکتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جو لڑکی میری زندگی میں بیوی بن کر آئے گی ہو سکتا ہے اسے بیوہ بننے میں بھی زیادہ دیر نہ لگے۔"

"میرا خیال ہے جو خطرات میرے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں وہ تم سے زیادہ مہلک اور تباہ کن ہیں لیکن اس کے باوجود میں نے تم سے شادی کر لی۔" ندیم نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم لندن میں میرے ساتھ رہ کر بہت قریب سے کچھ حالات کا جائزہ لے چکے ہو لیکن میں مایوسی کی باتوں کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتا۔ یہ باتیں انسان کو بزدل بنا دیتی ہیں اور میں بزدلوں کی موت نہیں مرنا چاہتا۔"

"تمہاری بات اور ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "تمہارے دشمن تمہاری نظروں کے سامنے ہوتے ہیں تم ان سے کھل کر مقابلہ کر سکتے ہو لیکن مجھے نادیدہ قوتوں نے گھیر رکھا ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن تمہاری موت اسی وقت واقع ہو گی جب قدرت چاہے گی۔" ندیم نے مجھے گھورا۔ "کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو۔"

ندیم کی باتوں میں وزن تھا۔ اس لیے میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"ہم اس وقت کہاں چل رہے ہیں؟"

"گھبراؤ مت ۔۔۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔" ندیم نے مجھے ٹالنے کی خاطر کہا لیکن اس وقت میں چونکے بغیر نہ رہ سکا جب ندیم نے اپنی گاڑی ایک ایسے موڑ پر روکی تھی جہاں سے کومل ورما کا گھر صاف نظر آ رہا تھا۔ مجھے وہ رات یاد آ گئی جب میں نے کومل ورما کے خوبصورت وجود کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا تھا۔

"تم ۔۔۔ یہاں کیا کرنے آئے ہو؟" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

ندیم نے جواب دینے کے بجائے جیب سے سگریٹ اور لائٹر نکالا۔ سگریٹ سلگانے کے بعد اس نے ایک لمحے کو جلتے ہوئے لائٹر کو کھڑکی سے باہر نکالا پھر اسے بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔ میں ابھی اس کی حرکت کا مقصد سمجھنے کی خاطر سوچ ہی رہا تھا کہ فضا میں ایک ہولناک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کومل ورما کے مکان سے بھیانک شعلوں کو بلند ہوتے دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے ندیم نے بڑی برق رفتاری سے گاڑی کھلی سڑک کی جانب موڑی پھر ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

"یہ ۔۔۔ یہ تم نے کیا کیا۔" میں نے ندیم سے پوچھا۔ "اس مکان میں کومل ورما کی ماں رہتی تھی۔"

"تم انکل کی موت کو کیوں بھول رہے ہو۔" ندیم کے لہجے میں سفاکی تھی۔ "ابھی تو صرف میں نے انکل کی موت کا دیباچہ رقم کیا ہے۔ کتاب لکھنا تو اب بھی میرے اوپر ایک قرض ہے۔"

"لیکن ۔۔۔"

"پریشان مت ہو۔" ندیم نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اگر نادیدہ قوتیں دیکھنے کی طاقت رکھتی ہیں تو انہوں نے یہ بھی ضرور دیکھا ہو گا کہ میں نے کومل ورما کے مکان کو دہکتے شعلوں کی نذر کرنے کا سگنل دیا تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ تمہارا پیچھا چھوڑ کر مجھ سے انتقام لینے کی ٹھان لیں۔"

"مجھے تمہاری دوستی پر ناز ہے مگر تم نے اچھا نہیں کیا۔ گندی اور پلید قوتیں میرے پیچھے پڑی ہیں۔ وہ اس تباہی کا انتقام مجھ سے لیں گی۔"

"اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔" ندیم نے اس بار لاپرواہی سے جواب دیا۔ "یہ کل دیکھا جائے گا۔"

"سراج بڑا گھاگ پولیس آفیسر ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ کومل ورما کے مکان کی تباہی کو بھی ہماری ذات سے منسوب کرے گا۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا پھر تقریباً دس منٹ بعد اس نے اپنی گاڑی سول لائنز کے علاقے میں ایک ایسے بنگلے کے سامنے روکی جہاں ایک فوجی گارڈ پوری طرح چوکنا اور مسلح کھڑا ہوا تھا۔ کار کی روشنی میں میں نے اس بورڈ کو بھی غور سے دیکھا جس پر میجر جنرل (ریٹائرڈ) سلیمان شاہ کے نام کی تختی آویزاں تھی۔ میں نے سلیمان شاہ کو کبھی دیکھا نہیں تھا لیکن اخباروں میں یہ ضرور پڑھا تھا کہ فوج سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد انہوں نے عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ برسراقتدار پارٹی میں ان کو بڑی عزت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ سلیمان شاہ کو وزیر بنانے کی خاطر کئی منتخب ارکان نے اپنی سیٹ سے دستبردار ہونے کا اعلان بھی کیا تھا لیکن سلیمان شاہ نے ان کی پیشکش قبول نہیں کی تھی۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟" فوجی گارڈ نے رائفل پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے قریب آ کر ندیم سے پوچھا۔

"شاہ جی گھر پر ہیں؟"

"نہیں۔ وہ آج کل ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔"

"واپسی کب تک متوقع ہے؟"

"ہمیں اس کا علم نہیں۔ آپ فون کر کے بیگم صاحبہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔" گارڈ نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا بیگم صاحبہ گھر پر ہیں؟" ندیم نے ٹھوس لہجے میں سوال کیا۔

"جی ہاں۔"

aazzamm@yahoo.com

بنگلے۔" ندیم نے جیب سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر گارڈ کو دیتے ہوئے کہا۔ "اسے بیگم صاحب تک پہنچا دو۔"

گارڈ خاموشی سے کارڈ لے کر پھاٹک تک گیا پھر اس نے پھاٹک پر ایک ہلکی دستک دینے کے بعد کارڈ کو لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ مجھے یہ بات سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی کہ اندر حفاظتی دستے کے کچھ اور مسلح افراد بھی ضرور ہوں گے۔ ندیم سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بڑی لاپروائی سے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

"تم سلیمان شاہ کو کب سے جانتے ہو؟"

"جب سے اس نے ماہ رخ سے شادی کی ہے۔"

"ماہ رخ؟" میں نے حیرت سے وضاحت چاہی۔

"سلیمان شاہ کی بڑی چھوٹی بیوی کا نام ہے۔" ندیم نے جواب دیا۔ "سلیمان شاہ کی عمر پچاس سال سے کچھ اوپر ہی ہوگی جب کہ ماہ رخ صرف تیس سال کی ایک جیتی جاگتی قیامت ہے۔ سلیمان شاہ کی سب سے بڑی کمزوری۔"

"تم اسے کب سے جانتے ہو؟"

"اس وقت سے جب وہ مسز سلیمان نہیں بنی تھی۔" ندیم نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

اسی وقت پھاٹک کھلا اور ندیم نے گاڑی بنگلے کے اندر پارک کر دی جہاں دو گاڑیاں پہلے سے موجود تھیں۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ بنگلے کے اندر بھی دو مسلح فوجی گارڈ موجود تھے جن میں سے ایک نے ہماری رہنمائی ڈرائنگ روم تک کی پھر الٹے قدموں واپس چلا گیا۔ میں نے ڈرائنگ روم پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جو نہایت اعلیٰ قسم کے ساز و سامان سے آراستہ تھا۔

کچھ دیر بعد ایک عورت نے آکر ندیم سے کہا۔

"بیگم صاحب نے آپ کو اندر بلایا ہے۔"

ندیم بڑے پروقار انداز میں اٹھا۔ میں نے بھی اشارہ پا کر اس کی پیروی کی تھی۔ ڈرائنگ روم کے باہر ایک چھوٹا مگر انتہائی خوبصورت چوکور سا باغ بنا ہوا تھا جو خوابناک روشنیوں میں ایک دلفریب منظر پیش کر رہا تھا۔ اس پارک کے چاروں اطراف کمرے بنے ہوئے تھے۔ ملازمہ نے ایک کمرے کے باہر رک کر دروازے کو دوبارہ دستک دی اور الٹے قدموں واپس چلی گئی۔ ملازمہ کے جانے کے بعد دروازے کے اوپر ایک سرخ رنگ کا ننھا بلب روشن ہوا پھر ایک کھٹکے کی آواز سنائی۔ بالکل ویسی ہی جیسے الیکٹرک لاک کے کھلنے پر ابھرتی ہے۔

ندیم دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا جہاں حقیقتاً ایک جیتی جاگتی قیامت ہمارے استقبال کو موجود تھی۔ کمرے میں ایک طرف نہایت خوبصورت مسہری تھی اور دوسرے گوشے میں ایک صوفہ سیٹ اور شیشے کی گول میز موجود تھی جس پر اعلیٰ برانڈ

تاریخی ناول

خالد بن ولید	الماس ایم - اے -/200
سلطان ٹیپو شہید	الماس ایم - اے -/200
نواب حیدر علی خاں	الماس ایم - اے -/200
سلطان صلاح الدین ایوبی	الماس ایم - اے -/450

مکتبہ القریش اردو بازار - لاہور 2

تاریخی ناول

ابلیس مصر	الماس ایم - اے -/100
حسن بن صباح	الماس ایم - اے -/125
راجکماری	الماس ایم - اے -/150
نور الدین زنگی	الماس ایم - اے -/250
سلطان عادل	الماس ایم - اے -/150

مکتبہ القریش اردو بازار - لاہور 2

کی شراب موجود تھی۔ غالباً ہمارے آنے سے پہلے وہ اپنا کوئی غم غلط کرنے میں مصروف تھی۔ فرش پر اتنا دبیز قالین تھا کہ قدموں کی آہٹ بھی اس کے اندر گم ہو کر رہ گئی تھی۔ ندیم کو دیکھ کر ماہ رخ کی نشیلی آنکھوں میں ایک مخصوص اور معنی خیز سی چمک ابھری تھی۔ اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے ندیم سے دریافت کیا۔

"آپ کی تعریف؟"

"میرے جگری دوست۔ شہباز خان۔" ندیم نے بڑی بے تکلفی سے میرا تعارف کرایا۔ "آپ چاہیں تو انہیں زاہد خشک کا نام بھی دے سکتی ہیں۔"

"تشریف رکھیے۔" ماہ رخ نے مجھے بڑی شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ان نگاہوں میں مستی کے ساغر چھلک رہے تھے۔ "کیا شوق فرمائیں گے آپ۔" اس نے ہمارے بیٹھنے کے بعد بطور خاص میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اگر زحمت نہ ہو تو صرف ایک کپ کافی۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ میں حتی الامکان یہی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی طرف سے غور سے نہ دیکھوں اس لیے کہ وہ اس وقت ایسے ڈریسنگ گاؤن میں تھی جو اس کی قیامت انگیز اور بھرپور شخصیت کو اور دو آتشہ کر رہا تھا۔ ندیم نے مجھے اس کی عمر تیس سال بتائی تھی لیکن وہ جسمانی اور ظاہری رکھ رکھاؤ سے بے حد کم سن نظر آتی تھی۔

"یہ ابھی تک اس نعمت سے محروم ہیں۔" ندیم نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اوہ۔" ماہ رخ نے ایک بار پھر مجھے نظر بھر کر دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔ "کیا میرے کہنے پر بھی آپ اپنی توبہ نہیں توڑیں گے۔"

"یہ پتھر ہے اسے جونک لگنی مشکل ہے۔" ندیم نے کہا۔

"آج ادھر کا راستہ کیسے بھول گئے۔" ماہ رخ نے ندیم کے لیے گلاس تیار کر کے اس کی طرف بڑھایا پھر انٹرکام کا ایک بٹن دبا کر کسی کو میرے لیے کافی کا آرڈر بھی کر دیا۔

"ایک ضروری کام نکل آیا تھا۔" ندیم نے گلاس اٹھا کر اسے ماہ رخ کے ہاتھ میں دبے ہوئے خوش قسمت جام سے ہلکے سے ٹکرایا پھر ایک ہی گھونٹ میں آدھا گلاس ختم کرتے ہوئے بولا۔ "ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں مسٹر سراج۔ بڑا ایماندار افسر ہے لیکن آج کل وہ ہمارے دوست پر کچھ زیادہ مہربان ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"کیا چاہتے ہو؟" ماہ رخ نے اپنا گلاس ختم کر کے دوسرا تیار کرتے ہوئے کہا۔ "کہیں دور دراز مقام پر پھنکوا دوں یا ملازمت سے برطرف کرا دوں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ زیادتی ہو گی۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "ضابطے کی کارروائی کرنا سراج کا حق ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس ایماندار شخص کو بلاوجہ میری خاطر پریشان کیا جائے۔"

"اور آپ جو دوسروں کو پریشان کر رہے ہیں۔" ماہ رخ نے ایسی نظروں سے مجھے دیکھا جیسے کوئی بلی چوہے کو پنجہ مارنے سے پہلے دیکھتی ہے پھر ایک خاص ادا سے اپنی ناگن زلفوں کو پشت کی جانب اچھالتے ہوئے بولی۔ "میرے علاوہ کوئی اور آپ کو پریشان کرے یہ بات مجھے منظور نہیں۔" ماہ رخ کے آخری جملے میں خود سپردگی کا احساس تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بہکتی جا رہی تھی۔

"فی الحال میری درخواست ہے کہ آپ مسٹر سراج کو پریشان نہ کریں۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "اگر کبھی ضرورت پیش آئے تو میں آپ کو ضرور یاد کروں گا۔"

"آپ اور مجھے یاد کریں گے۔" اس نے میری آنکھوں میں بہت دور تک جھانکنے کی کوشش کی۔ "زہے قسمت، زہے نصیب۔"

مجھے ماہ رخ کی گفتگو سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کے اور ندیم کے تعلقات کس قسم کے رہے ہوں گے ورنہ پہلی ہی ملاقات میں کسی اجنبی سے اس قدر بے تکلف ہونا کم از کم اس کے شایان شان نہیں تھا۔ اسی لیے کافی کی ٹرے لیے ایک خوبصورت سی لڑکی اندر داخل ہوئی تو ماہ رخ قدرے سنبھل گئی۔ لڑکی کے جانے کے بعد اس نے اپنے ہاتھوں سے میرے لیے کافی تیار کی پھر میرے قریب جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"اجازت ہو تو کافی کے اس کپ میں دو چار قطرے ملا دوں۔"

"جی نہیں ۔۔۔ پھر بھی سہی۔" میں نے قدرے گھبرا کر جواب دیا پھر کافی کا کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"چلیے آپ نے وعدہ تو کیا۔" وہ ایک قہقہہ لگا کر ہنسی۔ "مجھے آپ کے اس "پھر کبھی" کا بڑی شدت سے انتظار رہے گا۔"

"میں نعیم کو لندن چھوڑ کر آیا ہوں۔" ندیم نے تیسرا گلاس حلق کے اندر انڈیلتے ہوئے کہا۔ "یہاں میرا قیام زیادہ دنوں نہیں ہوگا۔ اس لیے میں اپنے دوست کو آپ سے ملوانے لایا ہوں۔ مجھے قوی امید ہے کہ آپ میرے جانے کے بعد بھی ان کا خیال رکھیں گی۔"

"ایک بات تو بتاؤ۔" ماہ رخ نے ندیم کو مسکراتی نظروں سے دیکھا۔ "کیا تم آج کچھ زیادہ مہذب بننے کی کوشش نہیں کر رہے ہو۔ یہ تم نے کیا آپ ۔۔۔ آپ لگا رکھی ہے۔"

"سوری لو۔" ندیم نے بے تکلفی سے کہا۔ "اگر شاہ جی کو شبہ ہو گیا تو مجھے جان بچانی مشکل ہو جائے گی۔"

"اس کی فکر بھی نہ کرو۔ وہ میری مٹھی میں ہے۔" ماہ رخ نے بڑے اعتماد سے کہا پھر لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھتے ہوئے ندیم سے بولی۔ "مجھے تم سے ایک بہت اہم اور ضروری بات کرنی ہے لیکن اکیلے میں۔"

ندیم خاموشی سے اٹھا پھر وہ ماہ رخ کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ ان کی واپسی پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی پھر ہم جانے کے لیے اٹھے تو ماہ رخ نے خدا حافظ کرتے وقت مجھ سے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔ اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتے وقت مجھے ایسا ہی لگا تھا جیسے میرے وجود کے اندر بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی ہو۔

"تم مجھے یہاں کس مقصد سے لائے تھے۔" میں نے واپسی میں ندیم سے پوچھا۔

"ماہ رخ سے تمہارا تعارف کرانے۔" ندیم نے کہا۔ "بڑے کام کی عورت ہے۔ اپنے لوگوں کے برے آڑے وقت میں بڑے کام آتے ہیں۔ تم نے سلیمان شاہ کے بارے میں ضرور سنا ہو گا لیکن ماہ رخ اس سے بھی کہیں زیادہ بااثر ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ندیم کے بارے میں سوچنے لگا جس نے اپنی جڑیں دور دور تک پھیلا رکھی تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی جس نے اسے بہت نڈر اور بے خوف بنا رکھا تھا۔

مادو رخ کے سلسلے میں ندیم نے جو نسخہ استعمال کیا تھا وہ اتنی جلدی زود اثر ہو گا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ دوسرے روز میں چار بجے دفتر میں بیٹھا ایک اہم فائل کے مطالعے میں مصروف تھا کہ عارف نے مجھے سراج کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے اسے فوراً ہی اندر بلوا لیا۔ سراج نے مصافحے کے بعد میری جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ میں فوری طور پر اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔

"تشریف رکھیے مسٹر سراج۔"

"نہیں۔" سراج نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔ "میں اس وقت ذرا جلدی میں ہوں۔"

"کہیے۔" میں نے اسے وضاحت طلب نگاہوں سے دیکھا۔ "کیا میں سمجھوں کہ ارجن کے بیان کی روشنی میں آپ مجھے حراست میں لینے آئے ہیں؟"

"جی نہیں۔" سراج نے اس بار بھی مختصراً کہا پھر ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ "مجھے مسٹر ندیم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی کہ وہ اتنا آگے نکل جائیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"وقتی طور پر میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔" سراج نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "لیکن وقت اور حالات کبھی یکساں نہیں رہتے۔ موسم کا بھی کچھ یہی حال ہوتا ہے۔ کبھی کے دن بڑے ہوتے ہیں تو کبھی کی رات۔"

"آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔"

"فی الحال آپ مسٹر ندیم سے صرف اتنا کہہ دیجیے گا کہ میرے اور ان کے درمیان اس روز آپ کے دفتر میں جو بات ہوئی تھی اسے بھول جائیں۔ اس روز حالات نے مجھے قانون کے آگے بے بس کر دیا تھا۔"

"اوہ۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "وہ میرا بہت گہرا دوست ہے۔ اس لیے ذرا جذباتی ہو گیا تھا۔ آپ اس کی مطلق پروا نہ کریں۔ وہ دل کا اتنا برا نہیں ہے۔"

"جی ہاں۔" سراج نے زہرخند سے جواب دیا۔ "اس کا اندازہ مجھے ہو چکا ہے۔"

"پلیز مسٹر سراج۔" میں نے ملامت کا انداز اختیار کیا۔ "آپ تشریف رکھیں۔ میں آپ کے لیے کافی منگواتا ہوں۔ رہا اس روز کی گفتگو کا معاملہ تو میں ندیم کی طرف سے آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ آپ والد صاحب کے واقف کاروں میں سے ہیں اس لیے آپ کا احترام ویسے بھی میرے اوپر واجب ہے۔"

سراج نے کچھ سوچا۔ شاید وہ میری بات کو اپنے طویل تجربے کی کسوٹی پر پرکھ رہا تھا۔ میں نے کافی کا آرڈر دیا اور سراج کو لے کر صوفوں کی طرف چلا گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں قانونی پیچیدگیوں کو سمجھتا ہوں مسٹر سراج۔ قانون کا احترام سب پر لازم ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کبھی کبھی قانون کے کسی نے محافظ کو فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں اپنی اولاد کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں پہنانی پڑتی ہیں۔ اگر ارجن کے بیان کی روشنی میں۔۔۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے عرض کروں کہ ارجن اپنے بیان سے منحرف ہو گیا ہے۔"

"لیکن اس نے تو مجسٹریٹ کی موجودگی میں اپنا بیان قلم بند کرایا تھا۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں مگر جیل کسٹڈی میں جانے کے بعد اس نے اپنا سابقہ بیان بدل دیا ہے۔" سراج نے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔ "اس کا کہنا ہے کہ اس نے محض پولیس کے ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ سے بچنے کی خاطر ایک فرضی بیان دیا تھا۔"

میرے ذہن میں کالکا کا تصور ابھرا۔ اس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ ارجن کے سلسلے میں وہ سب کچھ سنبھال لے گی۔ اس سے پیشتر بھی متعدد موقعوں پر کالکا میری خاطر اپنی پراسرار قوت کا مظاہرہ کر چکی تھی لیکن ارجن کے سلسلے میں اس نے کون سی قوت استعمال کی تھی؟ میں نے سوچا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ دیوی اور دیوتاؤں نے اس کی شکتی چھین لی ہے۔ کیا کالکا نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا؟ یا ابھی اس کے پاس اتنی قوت باقی تھی کہ وہ میرے لیے کچھ کر سکتی؟

"آپ کس سوچ میں گم ہو گئے مسٹر شہباز؟" سراج نے مجھے ٹوکا تو میں نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔

"کیا ارجن کے بیان کی تبدیلی میں ندیم کا کوئی ہاتھ ہے؟"

"آپ نے اس بات کا اندازہ کس طرح لگایا؟" اس کی نگاہوں میں تجسس ابھر آیا۔

"کیوں؟ کیا آپ نے ابھی چند منٹ پہلے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ وقتی طور پر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے اور۔۔۔"

"وہ اور بات تھی۔" سراج نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے وضاحت کی۔ "دراصل مجھے اوپر سے یہ کہا گیا تھا کہ میں کچھ معزز قسم کے لوگوں سے بلاوجہ الجھ رہا ہوں۔ آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ اس قسم کی فون کال کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"آئی سی۔" میں نے انجان بن کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہ محض آپ کی سوچ ہو۔ میں ندیم کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ کم از کم وہ اپنے سلسلے میں اوپر تک جانے کے اصول کو پسند نہیں کرتا۔"

کسی آڈ (ODD) پوزیشن کو ہینڈل کرنے کے لیے اس کے پاس اور بھی بہت سے ذرائع ہیں۔"

کافی آ جانے سے کچھ دیر کے لیے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا پھر ملازم کے جانے کے بعد میں نے کافی تیار کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"میرا خیال ہے آپ غلط انداز میں حالات کا تجزیہ کر رہے ہیں۔ تحفظ کی ضرورت مجرم پیشہ افراد کو ہوتی ہے اور مجھے ان دونوں زمروں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے کافی کا کپ سراج کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں خود اپنا دفاع کرنا جانتا ہوں مسٹر سراج۔"

"ایک بات پوچھوں مسٹر شہباز۔"

"پوچھیے۔"

"کیا آپ مسٹر سلیمان شاہ سے کبھی ملے ہیں۔"

سراج نے مجھے کریدنے کی کوشش کی تو میں ایک لمحے کے لیے چونکا پھر بڑی خوبصورتی سے بات بناتے ہوئے بولا۔

"نام ضرور پڑھا ہے اخباروں میں لیکن کبھی دوبدو ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"مجھے اوپر سے جو کال ملی ہے اس میں سلیمان شاہ کا حوالہ بھی دیا گیا تھا۔" سراج نے کسی گھاگ پولیس افسر کی طرح میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کے دوست مسٹر ندیم ان سے واقف ہوں؟"

"یہ بات آپ اتنے وثوق سے کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"مسٹر ندیم جس کاروبار سے وابستہ ہیں اس میں بڑی مچھلیوں کا عمل دخل کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے غیر یقینی انداز میں جواب دیا۔ "لیکن ندیم نے مجھ سے کبھی سلیمان شاہ کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی لیکن ون منٹ۔ کیا آپ کو اوپر سے معزز لوگوں کو پریشان کرنے کے سلسلے میں جو کال موصول ہوئی تھی اس میں ندیم کا نام بھی درمیان میں آیا تھا۔"

"جی نہیں۔" سراج نے کافی کا آخری گھونٹ حلق سے نیچے اتارتے ہوئے کہا۔ "کسی کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تھا لیکن پھر بھی مجھے یقین ہے کہ میں پچھلے دو دنوں میں مسٹر ندیم کے سوا اور کسی معزز شخصیت سے نہیں ملا۔ اس لیے میں اپنی سوچ میں حق بجانب ہوں۔"

"میں آپ کی کسی ذاتی سوچ پر قدغن نہیں لگا سکتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ ندیم اس بات سے پوری طرح واقف ہے کہ دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر لینا ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔"

"میں اب اجازت چاہوں گا۔" سراج نے میری بات کا کوئی جواب دیے بغیر اٹھتے ہوئے کہا پھر خاموشی سے ہاتھ ملا کر واپس چلا گیا۔ میں اس کے تیور بھانپ رہا تھا۔ جاتے وقت اس نے مجھے جن نگاہوں سے دیکھا تھا اس کا مفہوم میری سمجھ میں یہی آیا تھا کہ اس نے وقتی طور پر اپنی شکست تسلیم کر لی ہے لیکن کسی مناسب موقع پر وہ ندیم پر ہاتھ ڈالنے سے گریز بھی نہیں کرے گا۔

سراج کے بعد میں نے ندیم کو فون کر کے حالات سے آگاہ کیا تو اس نے بڑی لاپروائی سے جواب دیا۔

"تمہارے یہ سراج صاحب شاید میرے سلسلے میں ابھی تک کسی غلط فہمی (غلط فہمی) کا شکار ہیں۔ جس روز بھی انہوں نے ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے میرے کیسینو کی جانب نظر اٹھائی وہ ان کی ملازمت کا آخری دن ہو گا۔ یہ رعایت بھی صرف تمہاری وجہ سے دے رہا ہوں ورنہ میں جو نیک کام انجام دے رہا ہوں اس میں مداخلت کرنے والوں کے لیے صرف ایک ہی حکم دیتا ہوں۔ بجنتن۔"

"نہیں۔" میں نے سنجیدگی سے ندیم کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم سراج کے معاملے میں کسی فاری ترکیب کا استعمال نہیں کرو گے اس لیے کہ اس کے تعلقات والد صاحب سے تھے اور یوں بھی وہ ایک ایماندار اور فرض شناس پولیس آفیسر ہے۔"

"میرا فلسفہ تمہاری سوچ سے ذرا مختلف ہے۔" ندیم نے استہزائیہ لہجے میں جواب دیا۔ "ہر شخص اپنے پروفیشن میں بڑی ایمانداری اور دیانتداری سے کام لیتا ہے۔ جو لوگ رشوت لیتے ہیں وہ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں اس لیے کہ ایک طے شدہ رقم کی وصولیابی کے بعد وہ بھی بڑی ایمانداری سے اپنا وعدہ نبھاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں وہ لوگ ضرور بددیانتی کے مرتکب ہوتے ہیں جو ایک طرف تو سودا طے کرتے ہیں اور دوسری طرف کرپشن کی روک تھام کرنے والی ایجنسی کو باخبر کر دیتے ہیں۔ اگر میں اینٹی کرپشن کے محکمے میں ہوں تو سب سے پہلے اسی کی گردن کی پیمائش کرتا جو کسی کی شکایت لے کر میرے پاس آتا۔ اس لیے کہ کرپشن کی تحریک ہمیشہ اسی کی جانب سے ہوتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال۔" میں نے ندیم کی انوکھی منطق پر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر میرا تعلق شعبہ تعلیم سے ہوتا تو میں دوسرے لازمی مضامین کے ساتھ کرمنالوجی کو بھی اختیاری مضمون ضرور قرار دیتا تاکہ تم اس میں پی ایچ ڈی کی سہولت سے فیضیاب ہو سکتے۔"

"لیکن میں نے جو یونیورسٹی کیسینو کی شکل میں قائم کر رکھی ہے اس میں سوائے کرمنالوجی کے اور کسی مضمون کی دخل اندازی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس میں صرف ان ہی افراد کو داخلہ ملتا ہے جو مارو یا مر جاؤ کے مضمون میں پہلے سے

aazzamm@yahoo.com

واقعی ریکٹ کر چکے ہوتے ہیں۔"

"میرا ایک مشورہ مانو گے۔"

"کیا؟"

"اپنی زندگی میں ہی ایک وصیت نامہ تیار کرالو جس کی رو سے (خدانخواستہ) مرنے کے بعد تمہاری کھوپڑی کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں رکھ دیا جائے تاکہ ماہرین قانون اس پر ریسرچ کر سکیں۔"

"تمہارا مشورہ خاصا نیک ہے۔ وقت ملا تو کبھی اطمینان سے بیٹھ کر اس پر بھی غور کروں گا۔" ندیم نے بے حد سنجیدگی سے کہا پھر موضوع بدل کر بولا۔ "آج شام کو دفتر سے اٹھنے کے بعد تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"کوئی خاص نہیں۔ کیوں؟"

"رات کو میری طرف آجاؤ۔ میں نے آج کچھ مخصوص وہیل (WHALE) ٹائپ کی بڑی مچھلیوں کی بے حد پرزور فرمائش پر ایک مصری رقاصہ کا اسپیشل شو ارینج کیا ہے جہاں کسی نامحرم کے داخلے کی اجازت نہیں ہو گی۔" ندیم نے کہا۔ "اس قیود و بند سے آزاد شو کو دیکھنے کے بعد اگر تم چاہو تو اس پر کوئی تھیسس (THESIS) بھی لکھ سکتے ہو۔ راتوں رات نہ سہی لیکن شہرت کے بام عروج تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔"

"بخشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا۔" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ "مجھے ذرا خشک ہی رہنے دو۔"

"سوچ لو۔ ایسے موقع بار بار نہیں آتے۔"

"کیا نسیم کو بھی تمہاری ان نجی مصروفیات کا علم ہے۔"

"نہیں۔ میں کاروبار اور گھریلو معاملات کو ایک دوسرے سے خلط ملط کرنے کے اصول کے خلاف ہوں۔"

"اور اگر کسی گھر کے بھیدی نے مخبری کر دی تو؟"

"مجھے یقین ہے کہ تم ایسی حرکت نہیں کرو گے اور کوئی دوسرا کم از کم نسیم سے اس موضوع پر گفتگو کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا۔"

"تم جانو اور تمہاری مصروفیات۔" میں نے اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا۔ اس کے بعد میں اٹھنے کی تیاری کر رہا تھا کہ ڈائرکٹ فون کی گھنٹی بجی اور میں نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "شہباز دس اینڈ"

"آج کل بڑی اونچی ہواؤں میں اڑ رہے ہو۔" دوسری جانب سے موہنی کی آواز ابھری۔

"فون کرنے کا مقصد بیان کرو۔" میں نے حقارت سے کہا۔

"کاکا کی شکتی پر اب بھروسا کرنا چھوڑ دو۔ وہ ارجن کا بیان تو بدلوا سکتی ہے لیکن میری راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی۔"

"کیا تم نے صرف یہی کہنے کی خاطر فون کیا ہے۔"

روزنامہ "امروز" میں گستاخی معاف کے عنوان سے چھپنے والے فکاہیہ کالموں کا شگفتہ انتخاب

ایک سو نو (طنز و مزاح)

★ ---- مظفر بخاری

خوبصورت سرورق، عمدہ طباعت

قیمت: -/100 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

"نہیں۔" موہنی سرد لہجے میں کہا۔ "تم نے کول ورما کے گھر کو آگ لگا کر اچھا نہیں کیا۔"

"وہ حرکت میری نہیں تھی۔" میں نے صفائی پیش کی۔

"میں جانتی ہوں لیکن تمہارے دوست نے جو کچھ کیا ہے تمہاری ہی حمایت کے کارن کیا ہے۔ اس لیے اس کی سزا بھی تمہیں ہی بھگتنی پڑے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"جتنی جلدی ممکن ہو گھر پہنچنے کی کوشش کرو۔" دوسری جانب سے بڑے سفاک لہجے میں جواب ملا۔ "چاہو تو دو چار فائر بریگیڈ کی گاڑیاں بھی منگوا لو لیکن اب تمہیں اپنے گھر کی جگہ صرف راکھ کا ڈھیری نظر آئے گا اور وہ لاشیں جو جل بھن کر تمہارے پہنچنے تک کوئلہ کا روپ دھار چکی ہوں گی۔"

"نہیں۔" میں غصے سے چیخا پھر میں نے ریسیور کو ایک طرف ڈالا اور دیوانوں کی طرح بیرونی راستے کی جانب لپکا۔

مجھے یقین تھا کہ میں جس انداز میں کسی چوٹ کھائے ہوئے درندے کی مانند بھاگتا ہوا دفتر سے نکلا تھا اس نے خود میرے عملے کو بھی میری صحیح الدماغی پر شبہ کرنے میں مبتلا کر دیا تھا لیکن اس وقت مجھے کسی بات کی پروا نہیں تھی۔ موہنی نے فون پر مجھے جو اطلاع دی تھی اسے سن کر شاید پاگل ہی ہو گیا تھا۔

گاڑی کھلی سڑک تک لانے میں بھی میں نے دیوانگی ہی کا ثبوت دیا تھا پھر اس کے بعد میرا سیدھا پیر پوری شدت سے ایکسیلیٹر کو نیچے کی جانب دباتا چلا گیا۔ گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ میں نے ہارن پر مستقل ہاتھ جما رکھا تھا جس کی وجہ سے لوگ میرے لیے راستہ صاف کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ایک سگنل پر اچانک گرین لائٹ سرخ میں تبدیل ہو گئی لیکن اس وقت مجھے دنیا کے کسی قانون کی کوئی فکر نہیں تھی۔ میری گاڑی نے پشت کی جانب سے ایک جھٹکا کھایا تھا۔ شاید کسی گاڑی نے مجھے ہٹ کیا تھا۔ میری گاڑی بس ایک ثانیے کو لہرائی لیکن میں نے اس پر قابو پا لیا۔ راستے میں کئی سگنل درمیان میں آئے۔ نہ جانے کتنے ٹریفک کانسٹیبلوں نے مجھے روکنے کی خاطر سیٹیاں بجائی تھیں۔ میں اس وقت اپنی سرزمین پر تھا جہاں ٹریفک کی خلاف ورزی کو روکنے کی خاطر ابھی تک کوئی موثر انتظام وضع نہیں ہوا تھا۔ انگلینڈ میں ہوتا تو اب تک کئی پٹرولنگ کاریں میرے تعاقب میں سائرن بجاتی ہوئی دوڑ رہی ہوتیں۔

میرے ذہن میں ایک ہیجان بپا تھا۔ میرے دماغ کی اسکرین پر کئی سوالات ابھر رہے تھے۔

"کول ورما کے مکان کو ندیم کے آدمیوں نے میرے علم میں لائے بغیر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا تھا پھر اس کا انتقام مجھ سے کیوں لیا گیا؟"

"کیا وہ پراسرار طاقتیں ندیم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں؟ یا جان بوجھ کر صرف مجھے اپنا نشانہ بنائے ہوئے تھیں؟"

"موہنی اگر بدروح تھی تو پھر مجھے فون کس طرح کرتی تھی؟"

زندگی میں پہلی بار میرے دل میں ندیم کے خلاف بھی بڑی شدت سے نفرت کا جذبہ ابھرا تھا شاید اس لیے کہ اس کے طفیل میری ماں کی زندگی کا مسئلہ درپیش آیا تھا اگر وہ کول کے مکان کو نہ اڑاتا تو شاید وہ جوابی کارروائی نہ ہوتی جس کی اطلاع نے مجھ پر دیوانگی کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ مجھے اس وقت کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ مجھے اپنے اردگرد دوڑتی بھاگتی گاڑیاں بڑی حقیر نظر آرہی تھیں۔ میں ان کے سیلاب سے بچتا تیز رفتاری کے تمام ریکارڈ توڑتا ہوا گھر کی طرف جا رہا تھا۔ زندگی اور موت کے تصور نے مجھ پر ایک وحشت سی طاری کر دی تھی۔ میں باپ کی ہولناک موت دیکھ چکا تھا۔ اب نادیدہ قوتوں نے میری معصوم ماں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔

سپوکن ماڈرن جاپانی

★ ---- شاہد حمید

یہ کتاب سالہا سال کے ذاتی تجربات کا نتیجہ اور نچوڑ ہے۔
زبان کے سلسلے میں بنیادی حقائق کی طرف خاص توجہ مبذول کی گئی ہے۔
مشکل نکات کو نہایت آسان الفاظ میں واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔
جس کے مختلف کالموں میں انگریزی الفاظ، جاپانی تلفظ اور جاپانی ترجمہ شامل ہے۔

خوبصورت سرورق - بہترین کمپوزنگ و طباعت

قیمت: -/120 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

گھر جیسے جیسے نزدیک آتا جا رہا تھا میرے دل کی دھڑکنوں میں بتدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میرے دماغ میں اس وقت بڑے خطرناک منصوبے گردش کر رہے تھے۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میری بینائی سلامت تھی لیکن فون پر ملنے والی اطلاع نے شاید وقتی طور پر میرے اعصاب کو بالکل معطل کر دیا تھا۔ میں اب اپنے گھر سے بمشکل سو گز کے فاصلے پر تھا جب کاکا کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"سنبھلو شہباز' دوسرے روڈ سے ایک ٹرک بھی آ رہا ہے' اگر تم نے رفتار کم نہ کی تو کسی ہولناک حادثے سے دوچار ہو سکتے ہو۔"

"دفع ہو جاؤ میرے پاس سے۔" میں نے حقارت سے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"زندگی کے حادثے میری ماں کی جان سے زیادہ قیمتی نہیں ہیں۔"

"تم اپنی ماں کی فکر نہ کرو۔ وہ خیریت سے ہے۔"

"نہیں۔" میں نے بدستور نفرت کا اظہار کیا۔ "تم شاید مجھے بہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"میری بات کا وشواس کرو شہباز۔" کاکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہارے گھر کو تو نہیں بچا سکی لیکن تمہاری ماں کو میں نے اس حادثے سے پہلے ہی وہاں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔"

"کیا تم ٹھیک کہہ رہی ہو؟" میں نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ کاکا نے غلط نہیں کہا تھا۔ مین روڈ سے گزرنے والے اس لوڈنگ ٹرک کی رفتار بھی خاصی تیز تھی جس کے بارے میں کاکا نے مجھے خبردار کیا تھا اگر میں نے اپنی اسپیڈ کم نہ کی ہوتی تو شاید ماں کی خیریت معلوم کرنے سے پہلے ہی عالم بالا کی طرف روانہ ہو جاتا۔ میں بال بال بچا تھا۔

"شہباز۔" کاکا کے لہجے میں شکوہ تھا۔ "کیا اب تمہیں اپنی کاکا رانی پر بھی اعتبار نہیں رہا۔"

"موہنی کی بدروح نے کہا تھا کہ تم اپنی قوتیں کھو دینے کے بعد اب اس کی راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔"

"یہ سے کی بات ہے۔" کاکا نے ایک سرد آہ بھری۔ "یہ کسی حد تک ٹھیک ہے کہ دیوی دیوتاؤں نے میری کچھ شکتیاں چھین لی ہیں لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوگا۔ موہنی نے آج جو کچھ کیا ہے کل اسے اس کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی۔"

"مجھ سے کل کی نہیں آج کی بات کرو۔" میں نے تیزی سے پوچھا۔ "اس وقت میری ماں کہاں ہے؟"

"میں نے تمہارے مکان میں آگ لگنے سے پہلے ہی تمہاری ماں کو پڑوس میں بھیج دیا تھا۔ وہ اس وقت ڈاکٹر خان کے گھر پر ہے۔"

"اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو تمہارا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔"

"دوستوں کے بیچ احسان نہیں ہوتا شہباز۔" کاکا نے تاسف کا اظہار کیا۔ "مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تمہارا عالیشان مکان نہیں بچا سکی۔"

"جہنم میں گیا مکان۔ مجھے اس سے زیادہ ماں کی زندگی کا خیال ہے۔"

میرے مکان کے سامنے لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا تھا۔ میرا گھر جل رہا تھا اور لوگ تماشائی بنے دور کھڑے آسمان سے باتیں کرتے ہوئے شعلوں کا تماشا دیکھ رہے تھے البتہ دو فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آگ پر قابو پانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر غصے سے ہارن بجانا شروع کیا اور راستہ بناتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا لیکن پھر مجھے گاڑی روک دینی پڑی۔ ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ اب میرے لیے مزید آگے جانے کی گنجائش نہیں تھی۔ میں

تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا تو میری نظر سراج پر پڑی جو بوکھلایا سا نظر آرہا تھا۔ اس کے محلے کے افراد ہلکا لاٹھی چارج کر کے مجمع کو دور ہٹانے کی کوشش میں مصروف تھے جو فائر بریگیڈ کے عملے کی کارکردگی کو متاثر کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر سراج تیزی سے میری سمت آیا۔

"میں دو بار آپ کو فون کر چکا ہوں لیکن دفتر سے یہی جواب ملا کر آپ نکل چکے ہیں۔"

"آپ کو اس حادثے کی اطلاع کس نے دی تھی؟" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دریافت کیا۔

"موہنی کی بدروح نے۔" سراج نے کہا پھر بولا۔ "آپ کے دوست مسٹر ندیم شاید اس حادثے کی وجہ سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔"

"کیا مطلب۔" میں چونک اٹھا۔

"وہ جلتی ہوئی آگ میں کوٹھی کے اندر جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہم نے انہیں بمشکل قابو کیا ہے۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے۔"

"وہ پوری طرح محفوظ ہیں، لیکن ابھی تک خود کو پولیس کے نرغے سے چھڑا کر بھڑکتی آگ سے خطرناک شعلوں کی طرف جانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔"

"آپ اس کا خیال رکھیے۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں مجمع کو چیرتا پھاڑتا ڈاکٹر خان کی کوٹھی کی طرف لپکا جو میری رہائش گاہ سے دو بنگلے چھوڑ کر واقع تھی۔ راستے میں میرے کچھ اور بھی پڑوسی اور واقف کار ملے۔ وہ مجھ سے ہمدردی کرنا چاہتے تھے لیکن میں نے ان کی کوئی بات نہیں سنی۔ ڈاکٹر خان کی کوٹھی کا صدر پھاٹک بند تھا لیکن ان کے گارڈ نے مجھے دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ میں روش پر دوڑتا ہوا آگے جا رہا تھا لیکن پھر جیسے اچانک کسی نے میرے قدموں کی قوت چھین لی۔ میں نے دور سے ماں کو ڈاکٹر خان کی فیملی کے ساتھ دیکھا تو بھاگتے بھاگتے ایک دم سے سجدہ ریز ہو گیا۔ میرا مکان دوزخ جیسی آگ کی لپیٹ میں تھا لیکن میری جنت بالکل محفوظ تھی۔

میں زمین پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ بڑی عاجزی، انکسار اور رقت بھرے انداز میں اس رب العزت کا شکر ادا کر رہا تھا جس نے مجھے ماں کے سائے سے محروم ہونے سے بچا لیا تھا۔ میری آہ و زاری ہچکیوں میں تبدیل ہو رہی تھی جب کسی نے میرے شانوں پر ہاتھ رکھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ڈاکٹر خان میرے قریب کھڑے تھے۔ میں جلدی سے اٹھا اور بڑے جذبے سے ان سے لپٹ گیا۔ میری سسکیاں بدستور جاری تھیں۔

"صبر سے کام لیں مسٹر شہباز۔" ڈاکٹر خان نے میری پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "خدا کا شکر ادا کریں آپ کی والدہ صحیح

سلامت ہیں۔"

"یہ آنسو اسی خوشی کی علامت ہیں۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں اپنی ماں کی زندگی کی خاطر ایسی ایسی سینکڑوں عمارتوں کو قربان کر سکتا ہوں۔"

پھر میری ماں میرے قریب آئیں تو میں بے اختیار ان سے لپٹ گیا۔ ماں کا قرب اور اس کے وجود کی ٹھنڈک میرے لیے بڑی فرحت بخش تھی۔ میں بڑی دیر تک ان سے لپٹا کھڑا رہا۔

"شہباز بیٹے" ماں نے بڑے حوصلے سے کہا۔ "ہمت سے کام لو۔ میں جانتی ہوں کہ اس وقت تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔"

"آپ کا اندازہ غلط ہے امی۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے مکان جل جانے کا کوئی افسوس نہیں۔ میں اسے اپنا نقصان نہیں بلکہ آپ کی قیمتی زندگی کا صدقہ سمجھ رہا ہوں۔"

"خدا جو کرتا ہے انسان کی کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور اس میں مضمر ہوتی ہے۔" اس بار ماں کے لہجے میں حسرت تھی۔ "مجھے بھی مکان کے جلنے کا کوئی افسوس نہیں لیکن اس سے بہت ساری یادیں بھی وابستہ تھیں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں آپ کے دل کی کیفیت لیکن ذرا سوچیے امی، جس وقت مجھے مکان میں آگ لگنے کی اطلاع ملی تھی اس وقت میرے دل پر کیا گزری ہوگی۔" میں نے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "یادوں کا تعلق مکان سے نہیں دل کی دھڑکنوں اور ذہن میں اٹھنے والی لہروں سے ہوتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن کچھ نشانیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ایک بار مٹ جائیں تو دوبارہ نہیں بن سکتیں۔"

"آپ میرا منہ دیکھئے امی حضور۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر آپ نے ہمت ہار دی تو میں ٹوٹ کر بکھر جاؤں گا۔ ریزہ ریزہ ہو جاؤں گا۔"

"خدا نہ کرے۔" ماں کی ممتا تڑپ اٹھی۔ "کیوں ایسی بری فال زبان پر لا رہے ہو۔"

"پھر آپ مجھ سے وعدہ کریں امی آپ صرف اور صرف میرے لیے زندہ رہیں گی۔"

ماں نے جواب میں بڑی شفقت سے میرے بازو تھپتھپائے۔ بظاہر انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن میں ان کے دل کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ جو مکان جل چکا تھا اس سے ان کی زندگی کی ایک طویل داستان وابستہ تھی۔ مجھے احساس تھا کہ زخم بھرنے میں کچھ وقت ضرور لگتا ہے۔ اینٹ اور گارے سے تعمیر کی ہوئی عمارتیں بڑی بے جان ہوتی ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ انہیں بار بار توڑ کر دوبارہ بنایا جا سکتا ہے لیکن ان یادوں اور لمحوں کو دوبارہ تعمیر نہیں کیا جا سکتا جو انسان کے وجود سے چمٹ کر رہ جاتی ہیں۔

دنیا میں ہر چھوٹے بڑے انسان میں آگے بڑھنے کی جبلت ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ وہ زندگی کے جینے کے ڈھنگ بدلتا رہتا ہے۔ ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ترقی کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کا جذبہ ایک فطری عمل ہے۔ جو لوگ گاؤں میں رہتے ہیں نقل مکانی کر کے شہروں میں آجاتے ہیں جہاں ان کی زندگی زیادہ آرام و آسائش سے گزرتی ہے لیکن وہ "رہٹ" کی آواز اور آموں کے درخت پر پڑے جھولوں کی یاد کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ کوئی نہ کوئی لمحہ کوئی پل ہر انسان کو ماضی کی طرف ضرور لے جاتا ہے۔

رشتے اور ناتے بھی اسی طرح ٹوٹنے کے لیے قائم ہوتے ہیں۔ مرنے والوں کو موت کے سرد اور بے رحم پنجوں سے کوئی نہیں بچا سکتا لیکن موت بھی اپنی جگہ بے بس ہوتی ہے۔ وہ کسی کی روح تو قبض کر سکتی ہے لیکن مرنے والے کی یاد کو دوسروں کے دلوں سے نہیں مٹا سکتی۔ کبھی کبھی ہوا کا ایک جھونکا بھی بھولی بسری یادوں کو تازہ کر دیتا ہے۔ اس وقت ماں کے دل کی بھی یہی کیفیت تھی۔ وہ شاید گزری ہوئی باتوں کو یاد کر رہی تھیں۔ ان چیزوں کو یاد کر رہی تھیں جن سے کبھی ان کے آنگن کی افشاں جھلملاتی تھی۔ میں ان کی ڈبڈبائی آنکھوں میں بہت کچھ دیکھ رہا تھا۔ ان کی نگاہیں بار بار ان شعلوں کی طرف اٹھ رہی تھیں جو ان کے نشیمن کو جلا کر راکھ کرنے کے بھیانک رقص میں محو تھے۔

"امی۔" میں نے انہیں دوبارہ مخاطب کیا۔ "آپ کس سوچ میں گم ہیں۔"

"کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔" انہوں نے میرے جی کو دلاسہ دینے کی خاطر کہا۔

"ذرا سوچیے امی اگر گھر میں آگ لگنے کی خبر سن کر مجھے راستے میں کوئی خطرناک حادثہ پیش آجاتا تو آپ کو کس بات کا غم زیادہ ہوتا۔ میرے زخمی ہونے کا یا گاڑی کی تباہی کا۔"

"خدا نہ کرے ایسا کبھی ہو۔" ماں نے پھر مجھے کلیجے سے لگایا

اسی وقت سراج بھاگتا ہوا کوٹھی کے اندر داخل ہوا۔ اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔

"شہباز صاحب۔" اس نے تیزی سے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ ہی چل کر مسٹر ندیم کو سمجھائیے۔ وہ ہمارے قابو سے باہر ہو رہے ہیں۔"

"کیا ہوا ندیم کو۔" امی نے پوچھا۔

"ان کا خیال ہے کہ شاید آپ بھی آگ کے شعلوں کے درمیان گھری ہوئی ہیں۔" سراج نے بڑے ادب سے کہا۔ "انہیں ہماری بات کا یقین نہیں آرہا ہے۔ ان پر دیوانگی کی کیفیت طاری ہے۔"

میں امی کو چھوڑ کر سراج کے ساتھ باہر آگیا۔ سراج نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ ندیم کو سات آٹھ پولیس والوں

aazzamm@yahoo.com

نے پکڑ رکھا تھا لیکن وہ خود کو ان کی گرفت سے چھڑانے کی خاطر تڑپ رہا تھا۔ مچل رہا تھا۔ اس جدوجہد میں اس کی قمیص تار تار ہو چکی تھی۔ وہ ان پولیس والوں کو مغلظات سنا رہا تھا جو کسی جونک کی مانند لپٹے ہوئے تھے۔ ندیم چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"حرامزادو۔ خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ ان شعلوں کے اندر میری ماں میرا انتظار کر رہی ہوگی...... کتے کے پلو! اگر میری ماں کو کچھ ہو گیا تو میں تم لوگوں کو چن چن کر ماردوں گا۔ پورے شہر میں آگ لگا دوں گا۔ سب کچھ جلا کر راکھ کر دوں گا۔ چھوڑ دو...... کتے! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ مجھے مت روکو۔ جانے دو مجھے۔"

ندیم کی حالت دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ وہ میرا رشتہ دار نہیں تھا۔ ایک کلاس فیلو تھا۔ دوست تھا لیکن اس کے وجود کے اندر کسی اولاد ہی کی طرح خون کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس کی حالت خاصی غیر ہو چکی تھی۔ چیختے چیختے اس کا گلا بیٹھ گیا تھا۔ میں اس کے سامنے گیا تو جیسے اس پر ایک دم سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ مجھے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ شاید مجھے پرسکون دیکھ کر اسے اپنی بینائی پر شبہ ہو رہا تھا۔ میں اس کے اور قریب چلا گیا۔

"تم...." اس نے مجھے دیوانوں کی طرح گھورتے ہوئے کہا پھر دھاڑیں مار کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس کی زندگی کا وہ رشتہ میرے لیے بالکل نیا تھا۔ میرے دل میں اس کی محبت کی جڑیں کچھ اور مضبوط ہو گئیں۔

"پریشان مت ہو ندیم۔" میں نے اسے لپٹا کر یقین دلانے کی کوشش کی۔ "امی زندہ ہیں۔"

"زندہ ہیں۔" اس پر یکلخت شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہوئی تو اس کی قوت مدافعت جواب دے گئی۔

"سنبھلو ندیم۔ میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں۔" میں نے اسے پکڑ کر جھنجوڑا لیکن وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں نے اسے سراج اور ایک دو پولیس والوں کی مدد سے اٹھا کر جلدی سے گاڑی میں ڈالا پھر سراج سے کہا۔ "آپ امی کو بتا دیں کہ ندیم کی حالت ٹھیک ہے لیکن میں اسے فوری طور پر سکون رکھنے کی خاطر ہسپتال لے جا رہا ہوں۔"

پچھلی نشست پر ایک سپاہی سراج کے اشارے پر بیٹھ گیا۔ اس نے ندیم کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ میں نے تیزی سے گاڑی موڑی اور ہجوم کو چیرتا پھاڑتا کسی سڑک پر آ گیا۔ ہسپتال پہنچنے تک ندیم بے ہوشی ہی کی کیفیت سے دوچار رہا۔ ڈاکٹروں نے فوری طور پر اس کا معاینہ کرنے کے بعد مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ان کے ذہن کو شدید شاک پہنچا ہے لیکن ایک دو گھنٹے بعد یہ دوبارہ ہوش میں آ جائیں گے۔ فی الحال انہیں صرف آرام کی ضرورت ہے۔"

ڈاکٹر کے اطمینان دلانے پر مجھے قدرے سکون ملا تو میں نے سب سے پہلے ڈاکٹر خان کے نمبروں پر ماں کو بھی اس کی خیریت کی اطلاع دی۔ ندیم کو بے ہوشی کی حالت میں تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا اس لیے میں کمرے میں آ کر اس کے قریب ہی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

میرے ذہن میں ایک بار موہنی کا تصور ابھرا۔ اس نے کالا کے سلسلے میں جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں تھا۔ کالا میرے گھر کو پراسرار قوتوں کی بھڑکائی ہوئی آگ سے محفوظ نہیں رکھ سکی تھی لیکن اس نے میری ماں کو موت کے منہ سے نکال کر جو احسان کیا تھا وہی میرے لیے سب سے بڑا انعام تھا۔ میں ابھی ان باتوں پر غور کر رہا تھا کہ نرس نے آ کر مجھے کسی کے فون کی اطلاع دی۔ میں نرس کے ساتھ ہی اٹھ کر نرسنگ کاؤنٹر پر آ گیا جہاں میرے لیے کال موصول ہوئی تھی۔

"ہیلو۔" میں نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ میرا خیال تھا کہ وہ کال امی یا پھر سراج کی ہوگی لیکن دوسری جانب سے موہنی کی آواز سنائی دی۔

"کیوں شہباز خان۔ اب کیا خیال ہے تمہارا اپنی کالا رانی کے بارے میں۔"

"اس نے بہرحال میری ماں کو بچا کر مجھ پر احسان کیا ہے۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"ایک بار اگر شکار پر لگایا ہوا نشانہ غلط ہو جائے اور شکار سامنے ہو تو شکاری اس پر دوسری بار بھی نشانہ لگا سکتا ہے۔" موہنی استہزائیہ انداز میں بولی۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میری ماں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" میں نے نرسوں کی وجہ سے مدھم آواز میں کہا۔

"کومل ورما کی ماں نے تمہارے دوست کا کیا بگاڑا تھا جو اس کے گھر کے ساتھ ساتھ اسے بھی راکھ کا ڈھیر کر دیا گیا۔" موہنی کے لہجے میں سفاکی آ گئی۔ "اب تمہیں احساس ہوگا کہ آگ جب اپنے شریر کو جلاتی ہے تو کشٹ پر کیا بیتتی ہے۔"

"تم میری ماں کا خیال دل سے نکال دو میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔" میں نے گویا اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارے کہنے پر میں اپنی ماں کو لے کر اس ملک سے جانے پر بھی تیار ہوں۔"

"اتنی جلدی تمہاری کھوپڑی ٹھنڈی ہو گئی۔ تم تو بڑے گھمنڈی ہوا کرتے تھے۔" موہنی نے میرا مضحکہ اڑایا پھر یکلخت سرد آواز میں کہا۔ "اب ملک چھوڑنے کا سمے بھی بیت چکا ہے۔ اب تو کیول ایک ہی صورت ہے جو تمہیں میری شکتی سے مکتی (نجات) دلا سکتی ہے۔"

"وہ کیا۔" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"پہلے تم اپنی ماں کا بلیدان کسی مندر میں جا کر کالی کے چرنوں میں پیش کرو پھر اپنے ہاتھ سے خود کو بھی گولی مار کر ہمیشہ کے لیے شانت کر لو۔"

"بکومت۔" میں نے حقارت سے جواب دیا۔ "تمہاری ذات تو درکنار میں تمہاری صورت پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کروں۔"

"پھر تیار رہو۔ اس بار کالا کی شکتی تمہاری ماں کو نہیں بچا سکے گی۔"

"موت اور زندگی خدا کے ہاتھ ہے۔ یہ ایک مسلمان کا ایمان ہے۔" میں نے ٹھوس لہجے میں اسے منہ توڑ جواب دیا۔

"پھر سوچ لو شہباز خان۔ موہنی کی شکتی کے آگے تمہاری حیثیت اس کیڑے سے زیادہ نہیں ہے جسے کسی وقت بھی پیروں تلے کچلا جا سکتا ہے۔"

"اگر تمہیں اپنی گندی قوت پر اتنا ہی گھمنڈ ہے تو مجھ پر وار کرو۔"

"اس میں ابھی کچھ سمے لگے گا۔" اس نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ "تمہارے اوپر جو چھایا ہے ابھی اس کا توڑ نہیں ہو سکا۔"

"ایک بات پوچھوں۔"

"کیا۔"

"کومل ورما کے گھر کو میرے دوست نے بم سے اڑایا تھا جس کے بارے میں مجھے پہلے سے کوئی علم نہیں تھا پھر تم مجھے اس کا ذمہ دار کیوں ٹھہرا رہی ہو؟"

"کیول اس لیے کہ تمہارے مترنے جو بھی کیا ہے وہ تمہارے کارن کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے، اگر ہم نے تمہارے متر کو بھی مار دیا تو پھر تمہاری ارتھی کو کندھا کون دے گا۔"

"اس وقت فون کس کا متعدد کیا تھا۔" میں نے سنبھل کر سوال کیا۔

"کیوں۔ کیا تمہیں میری چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں لگی۔" اس نے پھر میرا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔ "تم تو بہت قریب سے میرا درشن کر چکے ہو کیا میں تمہاری کالا رانی سے زیادہ سندر نہیں ہوں۔"

"تم..." میں نے بڑی نفرت سے جواب دیا۔ "تم ایک گندی اور غلیظ روح ہو۔ تمہارا اور کالا کا بھلا کیا مقابلہ۔"

"شہباز خان' دھرتی پر واپس آ جاؤ۔ زیادہ اونچی اڑان کی کوشش مت کرو ورنہ۔"

"شٹ اپ۔" میں نے اسے جھڑک کر فون بند کر دیا۔

دو گھنٹے بعد ندیم کو دوبارہ ہوش آ گیا۔ میں اس کے قریب ہی موجود تھا۔ ایک لمحے تک وہ آنکھیں کھولے یوں چھت کو تکتا رہا جیسے کوئی خواب دیکھتے دیکھتے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی ہو پھر وہ بڑبڑا کر تیزی سے اٹھا تھا لیکن میں لپک کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"لیٹے رہو۔" میں نے کہا۔ "ڈاکٹروں نے تمہیں آرام کا مشورہ دیا ہے۔"

"ہم... میں اس وقت کہاں ہوں۔"

"پریشان مت ہو۔ تم ہسپتال میں ہو اور خیریت سے ہو۔"

"اور آنٹی۔" اس نے عجیب وحشت زدہ نظروں سے مجھے گھورا۔

"وہ ڈاکٹر خان کے گھر پر ہیں۔"

جواب دینے کے بجائے وہ نڈھال ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔ اس نے کچھ دیر تک آنکھیں بند کر لیں پھر دوبارہ میری سمت دیکھتے ہوئے بڑی نحیف سی آواز میں بولا۔ "خدا کا شکر ہے کہ آنٹی بچ گئیں ورنہ میں...."

"فی الحال اپنے ذہن پر کوئی بوجھ نہ دو۔" میں نے اسے ٹوکا۔ "تمہیں صرف آرام کی ضرورت ہے۔"

"جو کچھ ہوا ہے اس کی تمام تر ذمہ داری میرے اوپر ہے۔" اس کی آواز بھرانے لگی۔ "میں تم سے بہت شرمندہ ہوں شہباز۔"

"حماقت کی باتیں مت کرو۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تم یہاں نہ ہوتے جب بھی وہی ہوتا جو ہو چکا ہے۔ موہنی کی گندی آتما نے مجھے یہی دھمکی دی تھی کہ والد صاحب کے بعد اب میری ماں کی باری ہے۔"

"تمہارا مکان..."

"وہ اب تک جل کر راکھ ہو چکا ہوگا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔ "مجھے اس کا کوئی غم نہیں ہے۔"

"آنٹی اب کہاں رہیں گی؟" اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اپنے دوسرے بیٹے کے ہاں۔" میں نے اس کا مفہوم سمجھ کر جواب دیا تو اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔" اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی۔ "آنٹی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"تم خاموشی سے لیٹے رہو۔" میں نے اس کے دل اور دماغ کے بوجھ کو قدرے ہلکا کرتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہارا لباس اور حلیہ ابھی اس قابل نہیں ہے کہ تم کہیں آ جا سکو۔ نرسوں کی بات اور ہے۔ ان کی زندگی میں ہر قسم کے مریض آتے جاتے رہتے ہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر کہیں ماہ رخ نے تمہیں مجنوں کی حالت میں دیکھ لیا تو وہ یقیناً تمہاری کسی فرضی لیلیٰ سے ضرور جیلس ہو جائے گی۔"

پھر میں نے ندیم سے آرام کرنے کا وعدہ لیا اور دوبارہ گھر کی طرف چل دیا۔ میرے ذہن پر تھکن کے شدید اثرات مرتب ہو

aazzamm@yahoo.com

رہے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ایک طویل عرصے سے جاگ رہا ہوں۔ ایک پل کو بھی نہ سویا۔ میرے اعصاب پر جیسے برف کی کوئی موٹی سی تہہ جم گئی تھی۔ میں دوبارہ گھر کے نزدیک پہنچا تو لوگوں کا ہجوم چھٹ چکا تھا۔ میرے مکان سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا۔ فائر بریگیڈ کے عملے کے افراد ابھی تک کسی ممکنہ چنگاری کو بجھانے کی خاطر پانی ڈالنے میں مصروف تھے۔ میرے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں ڈاکٹر خان کی طرف گیا تو ماں ندیم کے سلسلے میں پریشان تھیں۔ میں انہیں ندیم کی طرف لے جانے لگا تو ڈاکٹر خان نے کہا۔

"مسٹر شہباز۔ کیا میرا کوئی حق نہیں ہے آپ کے اوپر۔"

"کیوں نہیں۔ لیکن میرے دوست کا پورا بنگلہ خالی پڑا ہے۔ اس کے علاوہ میں اس سے وعدہ کرکے آیا ہوں کہ امی کو وہاں پہنچانے کے بعد ہی دوبارہ اس کے پاس ہسپتال جاؤں گا۔"

ڈاکٹر خان نے ایک دو بار رسمی سا اصرار کیا پھر خاموش ہو گئے۔ میں ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد امی کو لے کر گاڑی میں واپس آ گیا۔ بنگلے سے باہر نکلا تو سراج کے سپاہی نے مجھے ہاتھ دے کر روک لیا۔

"سر۔ آپ ڈی ایس پی صاحب کو فون کر لیں۔ وہ ابھی دفتر میں موجود ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے مختصراً جواب دیا۔

امی کو لے کر میں ندیم کے بنگلے میں داخل ہوا تو وہاں لوگ پہلے سے ہماری پذیرائی کے لیے تیار تھے۔ شاید ندیم نے اپنے آدمیوں کو پہلے سے ہماری آمد کی اطلاع کر دی تھی۔

"شہباز۔" امی نے پوچھا۔ "ندیم کی حالت ٹھیک تو ہے نا؟"

"جی ہاں۔ ڈاکٹروں نے اسے آرام کا مشورہ دیا ہے۔" میں نے کہا۔ "میں اب اسی کی طرف جا رہا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ہسپتال میں نہیں رکے گا۔ ہو سکتا ہے واپسی میں میرے ساتھ ہی ہو۔"

"خدا اس کو صحت اور تندرستی عطا کرے بالکل اپنے بچوں کی طرح پیش آتا ہے۔" ماں نے اسے دعائیں دیں۔

ندیم کے ملازموں نے پہلے سے ایک کمرا تیار کر دیا تھا۔ میں نے ماں کو چھوڑا۔ ندیم کا ایک جوڑا لے کر ہسپتال پہنچا تو وہاں سراج اور جے شنکر پانڈے دونوں موجود تھے۔ ندیم اب بستر کے بجائے آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی پہلا سوال یہی کیا کہ "امی کہاں ہیں؟"

"ابھی ابھی ان کو تمہارے گھر چھوڑ کر آ رہا ہوں۔" میں نے ندیم کے لباس کا جوڑا دیتے ہوئے کہا۔ "لو۔ اب جلدی سے مجنوں کا حلیہ تبدیل کرکے انسان کے حلیے میں آ جاؤ۔"

ندیم لباس بدلنے کی خاطر چلا گیا تو پانڈے نے مجھ سے انکسار

نامور مزاح نگاروں
کی دلچسپ تحریروں
کا شگفتہ انتخاب
پیچ در پیچ
★---- مظفر بخاری
قیمت: -/125 روپے
مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر شہباز کہ کافروں نے میرے پروجیکٹ کے بعد آپ کے مکان کو جلا ڈالا مگر بھگوان کی بڑی کرپا ہے جو آپ کی ماتا جی بچ گئیں۔"

"شکریہ پانڈے جی۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے ماں کے بچنے کی زیادہ خوشی ہے۔ مکان تو دوبارہ بن سکتا ہے۔"

"آپ کا کیا خیال ہے مسٹر پانڈے۔" سراج نے پوچھا۔ "کیا ان دونوں وارداتوں میں کسی ایک ہی مجرم یا مجرموں کا ہاتھ شامل ہو گا؟"

"میں وشواس سے نہیں کہہ سکتا لیکن پیش آنے والے حالات اسی بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ کوئی ہم دونوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں سرگرم عمل ہے۔"

"اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"یہ معلوم کرنا تو پولیس کا کام ہے۔" پانڈے نے کہا۔ "بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"میرا ذاتی خیال ہے کہ ان وارداتوں کے پیچھے کوئی ایک ہی طاقت کام کر رہی ہے۔" میں نے ذومعنی انداز میں کہا۔

"اور وہ کوئی نادیدہ اور پراسرار طاقت ہے۔" سراج نے

سنجیدگی سے دریافت کیا۔

پانڈے نے خاموش نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں بھی خاموش رہا لیکن میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ پانڈے نے جس انداز میں مجھے دیکھا تھا۔ اس میں کہیں نہ کہیں ایسی بات ضرور تھی جس نے میرے تجسس کو ہوا دی تھی۔ ممکن ہے اس کا مقصد کومل ورما کی ذات کی سمت ہو جس کے بارے میں وہ مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا بہرحال وہ تاثر مجھے کھٹکی ضرور تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جو کچھ ہوا تھا اس میں کومل ورما ہی کی پراسرار شخصیت کو دخل رہا ہو لیکن ایسی صورت میں بھی میری چھٹی حس میں رہ رہ کر ایک ہی خیال آ رہا تھا کہ جے شنکر پانڈے کو اس واردات کا علم پہلے سے ضرور تھا۔

ندیم لباس تبدیل کرکے واش روم سے باہر آیا تو پہلے کے مقابلے میں زیادہ ترو تازہ لگ رہا تھا۔ ہمارے درمیان خاصی دیر تک اسی مکان کے جلنے کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی پھر سراج نے مجھ سے کہا۔

"کیا ضابطے کی کارروائی کے مطابق آپ نے ایف آئی آر کٹوا دی۔"

"جی نہیں۔" میرے لہجے میں ہلکی سی تلخی آ گئی۔ "ایف آئی آر ان مسئلوں کا حل نہیں ہے جو ہمیں درپیش ہیں۔"

"میں نے فائر آفیسر سے بات کی تھی۔" سراج نے میرے لہجے کو محسوس کرتے ہوئے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ "ابھی اس نے رپورٹ مرتب نہیں کی لیکن اس کا خیال ہے کہ آگ شارٹ سرکٹ کی وجہ سے لگی تھی۔"

"دیکھا جائے گا۔" ندیم نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "حکومت یا پولیس بہرحال مکان کو دوبارہ تعمیر کرنے کے اخراجات نہیں دے گی اس لیے بلاوجہ منتقل گھوڑے دوڑانے سے کیا حاصل۔"

"آپ درست فرما رہے ہیں لیکن قانون کے کچھ اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔"

"مجھے علم ہے مسٹر سراج۔" میں نے بددلی سے کہا۔ "کبھی فرصت ملی تو ایف۔ آئی۔ آر بھی ضرور درج کرا دوں گا۔ ویسے آپ کی حیثیت بہرحال چشم دید گواہ جیسی ہو گی۔"

"میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔" سراج نے انکساری سے جواب دیا۔

"شہباز صاحب۔" پانڈے نے کہا۔ "کیا میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ پانڈے جی۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر کوئی ضرورت پیش آئی تو آپ کو ضرور زحمت دوں گا۔"

پانڈے کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔ میرے ذہن میں بس اچانک ہی اس کی پوزیشن مشکوک سی ہو کر رہ گئی تھی۔ میرے پاس بظاہر اس کا جواز یا ثبوت موجود نہیں تھا لیکن اس کے باوجود میرے ذہن میں کسی خطرے کے گھنٹی کی سرخ بتی ضرور جل بجھ رہی تھی۔ سراج اس وقت ندیم سے گفتگو کر رہا تھا جب میں نے اچانک اسے مخاطب کیا۔ "مسٹر سراج۔ میرے مکان میں آگ لگنے کی اطلاع آپ کو کس طرح ہوئی تھی۔"

"ایک گمنام فون موصول ہوا تھا۔" سراج نے پہلو بدل کر کہا۔ "پہلے میں اس فون کو کسی کی شرارت سمجھا تھا لیکن پھر متعلقہ تھانے سے دریافت کرنے پر اس کی تصدیق ہو گئی۔ میں نے آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ شاید دفتر سے نکل چکے تھے چنانچہ میں سیدھا آپ کے گھر کی طرف گیا جہاں فائر بریگیڈ والے پہلے سے آگ پر قابو پانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔"

"گمنام کال آپ کو کسی عورت کی طرف سے ملی تھی۔"

"میں آپ کا مقصد سمجھ رہا ہوں۔" سراج نے میرے جملے کاٹتے ہوئے کہا۔ "وہ موہنی یا کومل ورما کی آواز نہیں تھی۔ کسی مرد کی آواز تھی جو میں نے پہلی بار سنی تھی۔ ہو سکتا ہے میرا اندازہ غلط ہو لیکن میرا خیال ہے جس شخص نے مجھے اطلاع دی تھی وہ آواز بنا کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"تمہیں کس نے خبر دی تھی۔" میں نے ندیم کی طرف دیکھا۔

"وہ بھی کسی مرد ہی کی آواز تھی۔" ندیم نے جواب دیا۔ "میں یہی سمجھا تھا کہ وہ تمہارے دفتر کا کوئی آدمی ہو گا۔"

"تعجب کی بات ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ دونوں کو کسی مرد نے اس حادثے کی اطلاع دی جبکہ مجھے اس حادثے کے بارے میں موہنی کا فون ملا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ موہنی کی بدروح نے وقتی طور پر کسی کے ذہن پر قبضہ کرکے ہم دونوں کو اطلاع کرائی ہو اور اس کے بعد آپ سے براہ راست گفتگو کی ہو۔"

"ہاں۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ کا شبہ کسی اور پر ہے؟" سراج نے تیزی سے سوال کیا۔ شاید وہ میرے چہرے پر پیدا ہونے والے تغیر کو بھانپ گیا تھا۔

"جی نہیں۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اس بار موہنی کے ساتھ ساتھ کسی مرد کی آواز کی شمولیت میرے لیے تعجب خیز ضرور ہے۔"

"ایک بات کہوں مسٹر شہباز۔" سراج نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"جی۔ فرمائیے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کوئی بات مجھ سے چھپانے کی کوشش

aazzamm@yahoo.com

کر رہے ہیں۔"

"خیال ہے آپ کا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جب میں ابھی تک خود کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تو بھلا آپ سے کیا چھپاؤں گا۔"

"بہرحال ایک بات طے ہے۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا۔ "جو کچھ بھی ہوا ہے اور جس طرف سے بھی ہوا ہے وہ پانڈے کے پروجیکٹ کی تباہی کے بعد ہی ہوا ہے۔"

"گویا مسٹر پانڈے پر بھی شبہ کیا جا سکتا ہے۔" سراج نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے کچھ سوچ کر سراج کے خیال کی نفی کی۔ "پانڈے پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ جو کچھ ہوا ہے اس میں کسی نہ کسی طاغوتی قوت کا ہاتھ بھی کسی نہ کسی زاویے سے ضرور شامل ہے۔"

سراج کے جانے کے بعد ندیم نے بڑے ڈاکٹر سے گھر جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ ہم واپسی کے لیے روانہ ہوئے تو ندیم کچھ چپ چپ سا تھا۔ میں کسی حد تک اس کی خاموشی کی وجہ سمجھ رہا تھا چنانچہ میں نے سرسری طور پر پوچھا۔

"کس سوچ میں گم ہو۔"

"آنٹی کے بارے میں غور کر رہا تھا۔"

"وہ کس سلسلے میں۔"

"شہباز۔" ندیم نے اس بار بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کیا تم مجھے اپنا دوست تسلیم کرتے ہو۔"

"نہیں۔" میں نے اس کے ذہن میں پکنے والی کھچڑی کی تپش محسوس کرتے ہوئے جواب دیا۔ "غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں۔"

"میری ایک بڑی ادنیٰ سی خواہش ہے۔" ندیم جذباتی ہونے لگا۔

"میں حماقت کی باتوں کو کسی ادنیٰ سی خواہش کا عنوان نہیں دے سکتا۔" میں نے اس بار کھل کر کہا۔ "جب تک مکان دوبارہ تعمیر نہیں ہو جاتا امی بہرحال تمہارے گھر میں رہیں گی۔ رہا مکان دوبارہ تعمیر کا مسئلہ تو ابھی تک میں نے اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔"

"لیکن میری خواہش ہے کہ اس مکان کو میں تعمیر کراؤں۔ اپنی مرضی کے مطابق اور....."

"اور اب اگر تم نے مزید کوئی حماقت کی بات کی تو ہو سکتا ہے کہ امی کو لے کر فی الحال کسی ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں۔" میں نے ندیم کی بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا پھر بڑی اپنائیت سے بولا۔ "دوستوں کا حساب ہمیشہ دل میں ہوتا ہے۔ نفع یا نقصان قسمت کی بات ہوتی ہے۔ اس میں کسی کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

"مانتا ہوں مگر کیا تم اس بات سے انکار کر سکو گے کہ جو کچھ پیش آیا ہے وہ کوٹھی والے مکان کو بم سے اڑا دینے کی جوابی کارروائی نہیں ہے۔"

"ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔" ندیم نے وضاحت طلب نظروں سے مجھے گھورا۔

"ابھی مطلب میرے ذہن میں بھی پوری طرح واضح نہیں ہوا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اس بار موہنی کے علاوہ کوئی اور قوت بھی ہمارے مقابلے پر آئی ہے۔"

"وہ کون سی قوت ہو سکتی ہے۔" ندیم نے مجھے کریدنے کی کوشش کی۔ "کیا طاغوتی قوتوں کے علاوہ اب انسانی قوت بھی میدان میں اتر آئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"تمہارا اشارہ کہیں جے شنکر پانڈے کی طرف تو نہیں ہے۔" ندیم نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"بہرحال دشمنوں نے تمہارے مکان کو جلا کر اچھا نہیں کیا۔" ندیم کے لہجے میں انتقامی جذبہ موجود تھا۔

"نہیں۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "فی الحال تم مزید کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ اس وقت تک جب تک میں نہ کہوں۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں غرق نظر آ رہا تھا۔

٭

دو روز تک میں گھر سے باہر نہیں نکلا۔ کبھی کبھی خوشیاں بھی انسان کے ذہن اور اس کے اعصاب کو مفلوج کر دیتی ہیں۔ میری بھی کچھ یہی حالت تھی۔ ماں کی زندگی میرے لیے سب سے قیمتی اثاثہ تھی۔ ندیم سگی اولاد کی طرح میری ماں کی خدمت میں لگا رہتا تھا۔ ہم دونوں نے وقتی طور پر ماں کے دل سے مکان جلنے کا بوجھ کسی حد تک ہلکا کر دیا تھا۔

ان دو روز تک میں نے اور ندیم نے ایک لمحہ بھی ماں سے دور رہ کر نہیں گزارا۔ میری درخواست پر ندیم نے اپنے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی کہ اگر میرے لیے کوئی فون آئے تو اسے کسی نہ کسی بہانے سے ٹال دیا جائے۔ ندیم نے بھی ان دو دنوں میں صرف ایک کال اٹینڈ کی تھی۔ وہ نسیم کی کال تھی جسے نہ جانے کس طرح لندن میں رہتے ہوئے بھی مجھے پیش آنے والے سانحے کی اطلاع مل گئی۔ نسیم نے ہم سب سے باری باری بات کی۔ وہ فوری طور سے واپس آنا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ میری ماں کے قریب رہ کر ان کی خدمت ہم سے زیادہ بہتر طور پر کر سکتی تھی۔ اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ عورت عورت کے دکھ کو زیادہ بہتر سمجھتی ہے۔ وہ ماں کے پاس ہوتی تو ماں کو تنہائی کا احساس نہ ہوتا لیکن حالات کے پیش نظر نسیم کو بلانا میرے نزدیک مناسب

نہیں تھا۔ میں نے اسے منع کر دیا۔ اس روز ندیم نے مجھ سے علیحدگی میں کہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے نسیم کو واپس آنے سے منع کر کے ٹھیک نہیں کیا۔ آنٹی کے لیے وہ زیادہ بہتر خدمت گزار ہو سکتی تھی۔ آخر ہم دونوں کب تک خود کو مستقل طور صرف گھر تک محدود رکھ سکیں گے۔"

"میں تمہارے خیال سے متفق ہوں لیکن نسیم کا یہاں آنا مناسب نہیں ہے۔"

"کوئی خاص وجہ؟"

"دشمن ہمارے خلاف اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے۔ وہ نسیم کو بھی کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"اگر تم نسیم کو یہاں نہیں بلانا چاہتے تو آنٹی کو لندن بھیج دو۔" ندیم نے کہا۔ "وہاں میرے ساتھی آنٹی کا بہترین خیال رکھیں گے۔"

"میں نے بھی سوچا تھا لیکن امی نے لندن جانے سے انکار کر دیا ہے۔ میں انہیں مجبور نہیں کروں گا۔ اس کے علاوہ ان کے چلے جانے کے بعد مجھے بھی سکون نہیں مل سکے گا۔ وہ قریب رہیں گی تو مجھے ڈھارس رہے گی کہ ماں کا سایہ اور ان کی دعائیں میرے ساتھ ہیں۔"

"اس صورت میں تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا پڑے گا۔"

"کیا؟"

"جب تک حالات مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہو جاتے آنٹی یہیں میرے مکان پر رہیں گی۔" ندیم نے بڑے وثوق سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں تم کو اس کی اصل وجہ نہیں بتا سکتا لیکن تم نے اس بات کو یقیناً محسوس کیا ہوگا کہ طاغوتی قوتوں نے ابھی تک میری طرف نگاہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ میرا مکان بھی ان کی دسترس سے باہر ہے۔"

"مجھے اس کا اندازہ ہے لیکن میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا۔"

"ٹھیک ہے۔" ندیم نے میری بات کا برا مناتے ہوئے بڑے جذباتی انداز میں جواب دیا۔ "اگر تم مجھے اتنا غیر سمجھتے ہو تو پھر دو دن بھی تم کسی ہوٹل میں کمرا بک کرا کے بڑے سکون سے گزار سکتے تھے لیکن ایک فیصلہ میرا بھی سن لو میں تمہارے سلسلے میں کوئی ضد نہیں کروں گا لیکن آنٹی یہیں رہیں گی۔"

"مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے لیکن..."

"بکو مت۔" ندیم نے مجھے گھورتے ہوئے شکوہ کیا۔ "اگر تمہیں میری دوستی پر اعتماد ہوتا تو تم میرے دل کو ٹھیس پہنچانے کی بات بھی نہ کرتے۔"

مجھے ندیم کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس بات کا تجربہ مجھے پہلے بھی ہو چکا تھا کہ طاغوتی قوتوں کی نظریں ندیم کے گھر تک نہیں پہنچ سکی تھیں۔ ندیم نے ایک موقع پر صرف اتنا ہی کہا تھا کہ کسی بزرگ کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں اور انہی بزرگ کی کرامت نے ایک ایسا حصار کھینچ دیا ہے جو ندیم کی رہائش گاہ کو کالی طاقتوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے گا۔ اس نے مجھے تفصیل نہیں بتائی تھی لیکن حالات کی روشنی میں اس بات کو کئی بار محسوس کر چکا تھا ابھی تک کسی گندی قوت نے ندیم کی طرف توجہ دینے کی جسارت نہیں کی تھی۔

تیسرے روز میں دفتر گیا تو میرے اسٹاف کے تمام ممبروں نے مجھ سے اظہار افسوس کیا۔ میں ان سب کا شکر گزار تھا۔ وہ میرے ہمدرد تھے۔ میرے دکھ درد میں برابر کے شریک تھے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے ایک فائل اٹھا کر اس کا مطالعہ شروع ہی کیا تھا کہ ماسٹر ٹونی کا فون آ گیا۔

"باس۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت بستر پر لاچار پڑا ہوں۔" ٹونی نے ایک نئے انداز میں میرا دکھ بانٹنے کی کوشش کی۔

"تم اب کیسے ہو؟"

"بس زندہ ہوں باس لیکن..."

"اپنے ذہن پر کوئی بوجھ نہ دو ٹونی۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "زندگی میں ہنگامے نہ ہوں تو جمود طاری ہو جاتا ہے اور جمود بھی موت ہی کی ایک شکل ہوتی ہے۔"

"کاش اس وقت میں آپ کے کسی کام آ سکتا۔"

"تم میرے لیے اب بھی بہت کام کے آدمی ہو۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "تم ٹھیک ہو جاؤ گے تو پھر میں تم سے بہت سارے کام لوں گا۔"

ٹونی کو دلاسہ دے کر میں نے فون رکھا تو عابد اور وداسی ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ عابد کے ہاتھ میں ایک بڑے کاغذ کا رول بھی تھا۔ "خیریت۔" میں نے ان دونوں کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"سر۔ میں نے آپ کے پلاٹ پر سے آپ سے پوچھے بغیر تمام ملبہ ہٹوا دیا ہے۔" عابد نے مدھم آواز میں کہا۔

"اچھا کیا آپ نے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اس وقت مجھے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اس مکان کے جل جانے کا غم میرے لاشعور میں کہیں موجود تھا جو عابد کی بات سن کر میرے شعور تک آ گیا تھا۔ اس مکان سے میری بھی بہت ساری یادیں وابستہ تھیں۔ آگ کے بھڑکتے شعلوں نے مکان کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا لیکن اس میں گزرے ہوئے روز و شب کی یادیں ابھی تک زندہ تھیں۔ بہت سارے زخم ایسے ہوتے ہیں جو اوپر سے مندمل ہو جاتے ہیں لیکن جب ان کو دوبارہ ٹھیس پہنچتی ہے تو اندر ہی اندر ٹیس کی لہری دوڑ جاتی ہے جو دوسروں کو نظر نہیں آتی لیکن ان کی تکلیف بڑی شدید ہوتی ہے۔ اس وقت عابد کی بات نے بھی میرے زخموں پر نشتر کا کام کیا تھا۔

aazzamm@yahoo.com

Scanned
By
Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

بغداد کی رات

--------- قمر اجنالوی

الف لیلیٰ کی ایک ہزار ایک راتوں سے زیادہ حسین و رنگین رات، دجلہ اور نیل کے دامنوں میں لپٹی ہوئی رات، آسمان کی پہنائیوں میں بکھرے ہوئے ستاروں سے آراستہ رات۔ جسے صاحب طرز ادیب قمر اجنالوی مستند تاریخوں اور بے شمار کتابوں کے حوالوں سے آراستہ کر کے آپ کے لیے پیش کرتے ہیں۔

1200 سے زائد صفحات — قیمت حصہ اول -/300 حصہ دوئم -/300

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

"آپ ایک نظر اس نقشے پر بھی ڈالیں تو مناسب ہوگا۔"

عابد نے ہاتھ میں دبا ہوا کاغذ کا رول میرے سامنے پھیلا دیا۔ وہ انتہائی جدید ڈیزائن کا ایک قابلِ تعریف نقشہ تھا جو اس نے یقیناً بڑی محنت کے بعد میرے پلانٹ کے لیے بنوایا تھا۔ میں نے اس نقشے کو دیکھ کر اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے شاید اس طرح میں اپنے درد کی شدت کو برداشت کرنا چاہتا تھا۔

"صرف آپ اسے او۔کے (O-K) کر دیں۔" وانی نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "ہمارا لیبر اس کی تعمیر میں زیادہ وقت نہیں لگائے گا۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" میں نے بڑے صبر سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"مکان تو دوبارہ تعمیر کرنا ہی ہے سر! پھر دیر کرنے سے کیا فائدہ۔" عابد بولا۔ "آپ صرف اپنی منظوری دے دیں باقی ہمارا کام ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ٹالنے کی خاطر کہا۔ "آپ نقشہ میرے پاس رہنے دیں۔ میں اسے آرام سے دیکھ لوں گا۔"

وانی اور عابد کے جانے کے بعد عارفہ آگئی۔

"کیسی ہیں آپ؟" میں نے پوچھا۔ "دو دن میں تو میرے لیے بہت سارے فون آئے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ میں نے لسٹ بنا رکھی ہے۔"

"کوئی خاص نوعیت کی کال تو نہیں تھی۔"

"جی نہیں لیکن کوئی ماہ رخ صاحبہ آپ کو متعدد بار فون کر چکی ہیں۔" عارفہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "کل تو وہ مجھ سے الجھ بھی گئی تھیں۔ آپ کا فون نمبر مانگنے پر اصرار کر رہی تھیں لیکن میں نے انھیں پھر ٹال دیا۔"

"آئی ایم سوری مس عارفہ۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "بڑی شخصیتوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ ان کی ہمدردی کا ڈھب بھی نرالا ہوتا ہے بہرحال اگر آپ نے ان کی کسی بات کا برا مانا ہے تو اس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں۔"

"کون خاتون ہیں سر؟ میں نے یہ نام پہلی بار سنا ہے؟" عارفہ نے کچھ ایسے انداز میں سوال کیا کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا ممکن ہے میرا وہم ہو لیکن مجھے اس کے لب و لہجے کے اندر رقابت کا جذبہ محسوس ہوا تھا۔

"آپ نے سلیمان شاہ کا نام ضرور سنا ہوگا۔ بڑی توپ قسم کی شخصیت ہیں۔ ماہ رخ ان کی مسز کا نام ہے۔"

"آئی۔ سی۔" عارفہ نے کہا۔ "جب ہی گفتگو کرتے وقت بھی ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ کال چونکہ ایکسچینج کے نمبر پر تھی اس لیے عارفہ نے اسے ریسیو کیا پھر اس کے چہرے پر یکلخت ایک ناگوار سا تاثر ابھر آیا۔

"ہولڈ کریں پلیز۔" اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر مجھے مخاطب کیا۔ "سر۔ ماہ رخ صاحبہ کی کال ہے۔"

ایک بار پھر مجھے عارفہ کے لہجے میں تلخی کا احساس ہوا لیکن میں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو۔ شہباز اسپیکنگ۔"

"زہے قسمت' زہے نصیب کہ دو دن بعد آپ کی آواز تو سننے کو ملی۔" دوسری جانب سے ماہ رخ نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

"جی ہاں۔ وہ دراصل۔۔۔"

"مجھے معلوم ہے کہ غالباً" آپ کے کسی دشمن یا شرپسندوں نے آپ کی کوٹھی کو آگ لگا دی ہے لیکن اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔" ماہ رخ نے کچھ عجیب انداز میں کہا۔ "میرے نام پر دو تین کوٹھیاں ہیں۔ آپ حکم دیں تو میں خود حاضر ہو جاؤں۔ اس بہانے ملاقات بھی ہو جائے گی اور آپ چل کر خود کوئی کوٹھی پسند کر لیجئے میں اسے آپ کے نام کر کے خوشی محسوس کروں گی۔"

"بہت بہت شکریہ لیکن کوٹھی اتنی معمولی شے بھی نہیں ہوتی جو مفت میں کسی کو بطور تحفہ دے دی جائے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مسٹر شہباز! اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں۔"

"فرمائیے۔"

"میں گھما پھرا کر بات کرنے کی عادی نہیں ہوں۔" اس نے بے تکلفی کا اظہار کیا۔ "اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے کی قائل ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"یوں سمجھ لیجئے کہ جو کوٹھی میں آپ کے نام کروں گی وہ میرے لیے آپ سے زیادہ قیمتی نہیں ہوگی۔" ماہ رخ نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "آپ نے وہ مثال تو سنی ہوگی کہ ہیرے کی قدر صرف جوہری جانتا ہے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے ورنہ میں۔۔۔"

"پلیز مائی ڈیئر شہباز۔" ماہ رخ نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "میں آپ کے منہ سے بھی آپ کی برائی سننا گوارا نہیں کر سکتی۔"

عارفہ میرے سامنے بیٹھی مجھے کچھ عجیب سی تیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ میں ماہ رخ کے جواب پر گڑبڑا گیا۔ وہ اس وقت میری نگاہوں کے سامنے نہیں تھی لیکن اس کے باوجود میں اس کے بہکے ہوئے لہجے کا انداز محسوس کر رہا تھا۔

"کیوں۔ آپ خاموش کیوں ہو گئے۔"

"سوچ رہا ہوں کہ کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" میں نے سپاٹ لہجہ اختیار کیا۔

"چھوڑیے ان فضول اور رسمی باتوں کو۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "یہ بتائیے کہ آج شام کو آپ کا کیا پروگرام

aazzamm@yahoo.com

ہے۔"

"دفتر سے اٹھ کر سیدھا گھر جاؤں گا۔"

"ہمارے غریب خانے کو بھی اپنا گھر سمجھئے۔" ماہ رخ نے مستی بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "شام کی چائے اور رات کا کھانا اگر آپ میرے ساتھ کھائیں تو میں اسے اپنی عزت افزائی سمجھوں گی۔"

"پھر کبھی سہی۔" میں نے اسے ٹالنے کی خاطر کہا۔ "ابھی امی کا غم تازہ ہے اس لیے میں نے اپنے تمام آؤٹ ڈور پروگرام منسوخ کر دیے ہیں۔"

"ایک شرط پر آپ کو چھٹکارہ مل سکتا ہے۔"

"حکم دیں۔" میں نے دل پر جبر کر کے کہا۔

"جب بھی آپ کو فرصت ملے میرے غریب خانے کو ضرور رونق بخشیں گے۔ میں اسی وعدہ پر خود کو بہلالوں گی۔" ماہ رخ نے شرافت کی تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے کہا۔ "لیکن بقول غالب ایسا نہ ہو کہ۔ ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا۔ یوں غم سے مرنہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔"

"اتنی مایوسی بھی اچھی نہیں۔" میں نے کہا۔ "فرصت ملتے ہی حاضری دوں گا۔"

ریسیور رکھ کر میں نے عارفہ کی جانب دیکھا تو مجھے کچھ یوں محسوس ہوا جیسے اسے میرا ماہ رخ کے ساتھ باتیں کرنا اچھا نہیں لگا لیکن کیوں؟ میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا لیکن وہ خاموشی سے اٹھی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد بھی میں کچھ دیر تک اس تغیر پر غور کرتا رہا پھر دفتر کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

شام کو اٹھتے وقت اچانک مجھے دانش کا خیال آ گیا۔ مجھے اس سے کوئی کام نہیں تھا۔ بس چلتے چلتے یکلخت یہ خیال ذہن میں ابھرا تھا کہ سوائے دانش کے عملے کے تمام افراد نے دو روز کی غیر حاضری کے بعد دفتر آنے پر میری خیریت دریافت کی۔ ماسٹر ٹونی نے کہا تھا۔ دانش اس کی جگہ میرے لیے ایک قیمتی نعم البدل ثابت ہوگا۔ دانش کے نہ آنے کی بہت ساری وجوہات ہو سکتی تھیں ممکن ہے وہ کسی سائٹ پر نگرانی کے کام کی اضافی ذمہ داری میں مصروف ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اسے میرے دفتر آنے کی اطلاع سرے سے ملی ہی نہ ہو اور بھی بہت سارے امکانات تھے لیکن نہ جانے مجھے اس کے نہ آنے کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا۔

پانڈے کے پروجیکٹ کو میں نے انتقامی جذبے کے تحت تباہ کیا تھا۔ اس کی تباہی میں ماسٹر ٹونی کے کہنے کے مطابق دانش نے بڑی بے جگری سے میرا ساتھ دیا تھا۔ اس کے جواب میں میرا گھر پھونک دیا گیا تھا۔ اس حادثے کی اطلاع موہنی کی خبیث روح نے مجھے فون پر دی تھی۔

رومانی ناول

دل کا آنگن	سلمیٰ رعنا	75/-
کالے کنول	سلمیٰ رعنا	75/-
اور دیا جلتا رہا	سلمیٰ رعنا	100/-
موج گرداب	سلمیٰ رعنا	100/-

مکتبہ القریش اردو بازار - لاہور 2

میرے ذہن میں وسوسے پیدا ہونے لگے۔ ہو سکتا تھا کہ پراسرار ماورائی قوتوں کو اس بات کا علم ہو کہ پانڈے کے پروجیکٹ کو اڑانے کی خاطر دانش نے اہم کردار کیا تھا اور اب میرے مکان کے ساتھ ساتھ ان گندی قوتوں نے کہیں دانش کو بھی اپنے عتاب کا نشانہ تو نہیں بنا دیا ہو۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ میری چھٹی حس کسی خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔ میں نے انٹرکام پر عارفہ سے رابطہ قائم کیا۔

"سر۔" دوسری جانب سے عارفہ کی سپاٹ آواز ابھری۔

"کیا آپ نے آج دانش کو دیکھا تھا؟"

"جی نہیں۔"

"پلیز۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "آپ گوداؤن پر فون کر کے اس کے بارے میں دریافت کریں۔ مجھے ایک ضروری کام پیش آ گیا ہے۔"

عارفہ کے بعد میں نے عابد اور وانی سے بھی دانش کے بارے میں پوچھا لیکن ان دونوں نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا وہ آج ہیڈ آفس میں نہیں دیکھا گیا۔ میں نے ان دونوں سے بھی کہا کہ وہ فون کے ذریعے فوری طور پر اس کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

"کوئی خاص کام ہے سر۔" وانی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے سر۔ میں اسے تلاش کرتا ہوں۔"

"مسٹر وانی۔ ون منٹ" میں نے تیزی سے کہا۔ "دانش آج کل کیا ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔"

"ماسٹر ٹونی کو پیش آنے والے حادثے کے بعد سے اس نے خود کو بہت مصروف کر لیا ہے۔ سارا سارا دن آؤٹ ڈور کی دیکھ بھال کرتا ہے اور مجھے باقاعدہ اس کی رپورٹ دیتا ہے۔"

"آج اس کا کوئی فون آیا تھا۔"

"جی نہیں۔" وانی نے کہا پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "میں دوسرے افراد سے بھی معلوم کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس کی کال کسی اور نے ریسیو کی ہو لیکن جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ گزشتہ دو روز سے دانش کا کوئی فون نہیں آیا۔"

"مسٹر وانی۔" میں نے وانی کی فراہم کردہ اطلاع پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کسی آدمی کو فوری طور پر دانش کے گھر روانہ کریں اور تمام سائٹس پر بھی فون کر کے معلوم کریں کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں سر۔" وانی نے میرے لب و لہجے سے میری کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "کیا دانش سے کوئی ضروری کام پیش آ گیا ہے؟"

"آپ کسی آدمی کو اس کے گھر روانہ کر کے میرے پاس آ جائیں۔" میں نے انٹرکام کا ریسیور رکھا پھر اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ میرے ذہن میں پریشان کن سوالات ابھر رہے تھے۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ دانش ضرور کسی سانحے سے دوچار ہوا ہے ورنہ وہ ڈیوٹی کے معاملے میں ہمیشہ پابندی کا خاص خیال رکھتا تھا۔ دو منٹ بعد ہی وانی نے کمرے میں داخل ہو کر مجھے اطلاع دی کہ ایک شخص کو دانش کے گھر روانہ کیا جا چکا ہے۔

"مسٹر وانی۔ کیا دانش شادی شدہ ہے۔"

"جی نہیں۔ ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی۔"

"وہ رہتا کہاں ہے؟"

"کرائے کے ایک مکان میں جہاں اس کے علاوہ دو چار آدمی اور بھی رہتے ہیں اور مل بانٹ کر مکان کا کرایہ ادا کرتے ہیں۔" وانی نے کہا پھر دوبارہ اس نے مجھ سے سوال کیا۔ "آپ کو اس وقت اچانک دانش کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کسی اور آدمی کو......"

"مسٹر وانی۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "آپ شاید ایک اہم حقیقت کو فراموش کر رہے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں سر۔"

"دو روز پہلے ہی میرے مکان کو آگ لگائی گئی تھی اور آپ لوگوں کے بیان کے مطابق دانش دو روز سے ہی غائب ہے۔"

"تو کیا۔" وانی نے بے یقینی سے جواب دیا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ آپ کی والدہ کو بچانے کی خاطر مکان کے اندر گیا ہو اور پھر...... وہ بہت جذباتی اور جوشیلا جوان ہے سر۔ پروموشن کے بعد سے تو وہ کچھ زیادہ دلچسپی لے رہا تھا اپنے کاموں میں۔"

"میں بھی کچھ ایسی ہی باتیں سوچ رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ٹونی کی طرح وہ بھی جان پر کھیل جانے کا عادی ہے۔"

ایک گھنٹے کے طویل اور اعصاب شکن انتظار کے باوجود دانش کا کوئی پتا نہیں چلا۔ میری تشویش میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ سائٹ پر کام کرنے والے عملے کا بھی یہی بیان تھا کہ جس روز میرے مکان کو نذر آتش کیا گیا تھا۔ اس روز سے دانش انہیں بھی نظر نہیں آیا تھا۔ عارفہ نے بھی تمام متعلقہ جگہوں پر فون کرنے کے بعد یہی جواب دیا تھا۔ میرے آفس میں اس وقت وانی اور عابد کے علاوہ عارفہ بھی موجود تھی۔ مجھے اس شخص کا انتظار تھا۔ جسے دانش کے مکان پر روانہ کیا گیا تھا۔

"سر۔" عارفہ نے میری پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ دانش بیمار ہو یا پھر اسے کسی ضروری کام سے کہیں باہر جانا پڑ گیا ہو اور وہ اپنی روانگی کی اطلاع نہ کر سکا۔"

"میں نے ان خطوط پر بھی سوچا تھا لیکن دانش اگر کہیں باہر گیا ہوتا تو اب تک وہ کم از کم مسٹر عابد یا وانی کو اپنے وہیر آباؤٹس۔ (WHERE ABOUTS) کی اطلاع ضرور دے چکا ہوتا۔"

"اس کے علاوہ اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" عارفہ نے دبی زبان میں پوچھا۔

میں کوئی جواب دینے والا تھا کہ عابد کا وہ ماتحت کمرے میں داخل ہوا جسے دانش کے گھر روانہ کیا گیا تھا۔

"کچھ پتا چلا دانش کا۔" عابد نے پوچھا۔

"جی نہیں سر۔ جس مکان میں دانش نے رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ اس میں پانچ آدمی اور بھی رہتے ہیں۔ جن میں ایک ہماری کمپنی کا ورکر بھی شامل ہے۔ اس کے بیان کے مطابق وہ اس وقت دانش کے ساتھ ہی ایک سائٹ پر کام کر رہا تھا۔ جب دانش کو آپ کے ساتھ پیش آنے والے سانحے کی اطلاع ملی تھی اور وہ تمام کام چھوڑ کر فوری طور پر چلا گیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک وہ گھر نہیں پہنچا۔"

"دانش کون سی سواری استعمال کرتا تھا۔" میں نے وانی سے پوچھا۔

"اس کے پاس موٹر سائیکل تھی سر۔" وانی نے جواب دیا۔ "دفتری کاموں کے سلسلے میں بھی وہ کمپنی کی گاڑی استعمال کرنے کے بجائے موٹر سائیکل ہی استعمال کرتا تھا۔"

"اس کا نمبر یاد ہے آپ کو۔" میری پریشانی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

(1007) ون ڈبل زیرو سیون۔" عابد نے کہا۔ "پرانے ماڈل کی ٹرائمف ہے لیکن بالکل نئی جیسی لگتی ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

میں نے فوری طور پر سراج کے نمبر ڈائل کیے۔ میرے دل کی دھڑکن بدستور جاری تھی۔ دانش میرا کوئی عزیز نہیں تھا لیکن وہ ایک وفادار اور جان نثار ورکر تھا جو صرف حکم کی پیروی کرنے کا عادی تھا۔ اس کے نتائج کی پروا نہیں کرتا تھا۔

"ہیلو۔ سراج اسپیکنگ۔"

"میں شہباز بول رہا ہوں۔" میں نے کہا ایک ہی سانس میں دانش کے سلسلے میں ساری تفصیل دہراتا چلا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ نے موٹر سائیکل کے جو نمبر بتائے ہیں وہ اس وقت متعلقہ تھانے میں موجود ہے۔" سراج نے کہا۔ "بیکر بھی وہی ہے جو آپ بتا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں فائر بریگیڈ والوں کے ساتھ آخری وقت تک موجود تھا لیکن ابھی تک مجھے کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔" سراج نے کہا۔ "آپ کے تمام ملازم بھی صحیح و سلامت ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے دانش کہاں گیا۔"

"اسی ایک سوال کے جواب نے مجھے بہت الجھا دیا ہے۔"

"کیا آپ کے خیال میں دانش کی گمشدگی میں بھی کسی طاغوتی قوت کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"ناممکن بھی نہیں ہے۔"

"مگر ان قوتوں کو دانش سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"جی۔" میں ایک لمحہ کو گڑبڑا گیا پھر جلدی سے بات بناتے ہوئے بولا۔ "وہ ماسٹر تونی کا دست راست تھا۔ ہو سکتا ہے اسے محض اسی جرم کی سزا ملی ہو۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔" سراج نے کہا۔ "کیا دانش کے سلسلے میں ایف آئی آر درج کی جائے۔"

"میرا مشورہ ہے کہ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میں آپ کو دانش کی چار پانچ فوٹو روانہ کر رہا ہوں آپ اسے تھانوں میں اپنے اعتماد کے ماتحتوں کو روانہ کر دیں تاکہ اس کی تلاش کا سلسلہ فوری طور پر جاری ہو سکے۔"

"میں سمجھا نہیں مسٹر شہباز۔" سراج نے پوچھا۔ "کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ایف۔ آئی۔ آر کے بغیر ہی اس کی تلاش کا سلسلہ جاری کر دیا جائے۔"

"جی ہاں۔"

"کوئی وجہ۔۔۔" سراج نے اس بار پولیس والوں کی طرح جرح کی۔

"اگر آپ کا اندیشہ درست ہے تو ممکن ہے۔ وہ طاقتیں مجھ سے دانش کے عوض کوئی بارگیننگ کرنے کی کوشش کریں۔" میں نے جواز پیش کیا۔ "ایف آئی آر کے بعد دانش کی زندگی کو ناقابل تلافی نقصان بھی پہنچایا جا سکتا ہے۔"

"آئی سی۔" سراج نے میری دلیل کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ آپ تصویریں بھیج دیں۔ میں ذاتی طور پر اس تفتیش کو خفیہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا لیکن طاغوتی قوتوں سے تو اس بات کو پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ میرا خیال ہے کہ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں۔ میں رات کو آپ سے دوبارہ رابطہ قائم کروں گا۔" میں نے ریسیور رکھتے ہوئے عابد کو ہدایت کی۔ "آپ دانش کی پرسنل فائل سے اس کی جتنی تصاویر بھی مل سکیں وہ سب ابھی لے جا کر ڈی ایس پی سراج کو دے آئیں۔"

عابد کے ساتھ ہی وہ آدمی بھی باہر چلا گیا جو دانش کی رہائش گاہ سے خبر لایا تھا۔ آفس میں صرف واسٹی اور عارفہ رہ گئے تھے۔

"سر۔" واسٹی نے دبی زبان میں کہا۔ "آپ نے ابھی کچھ طاقت کے بارے میں کہا تھا۔ کیا آپ کے خیال میں کسی مخالف پارٹی نے دانش کو اغوا کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"اس خیال کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔" میں نے بات بناتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک بات اور بھی ممکن ہے۔" عارفہ نے اظہار خیال کیا۔ "ہو سکتا ہے دانش کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہو اور وہ خدانخواستہ کسی ہسپتال میں بے ہوش پڑا ہو۔"

"لیکن پولیس کو اس کی موٹر سائیکل صحیح و سلامت حالت میں ملی ہے۔"

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے سر۔" عارفہ نے جلدی سے وضاحت کی۔ "ممکن ہے دانش نے اپنی جان پر کھیل کر آپ کے گھر والوں کو بچانے کی کوشش کی ہو اور۔۔۔۔۔"

"بس۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "آپ کا یہ شبہ ممکن ہو سکتا ہے۔" پھر میں نے واسٹی سے بڑی عجلت میں کہا۔ "پلیز۔ آپ ذرا میرے مکان کے قریب واقع تمام ہسپتال پر ایک نظر ڈال لیں۔"

"رائٹ سر۔" واسٹی نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا پھر تیزی سے دفتر سے چلا گیا۔

"سر۔" واسٹی کے جانے کے بعد عارفہ نے دبی زبان میں پوچھا۔ "کیا آپ ابھی کچھ دیر بیٹھیں گے۔"

"کوئی خاص بات۔"

"جی نہیں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کے رکنے کا ارادہ ہو تو کافی تیار کر دوں۔ آپ اس وقت بہت پریشان ہیں۔ آپ کو سکون کی ضرورت ہے۔"

"بہت بہت شکریہ مس عارفہ۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اب چلوں گا۔ آپ کو اگر دانش کے بارے میں کوئی اطلاع ملے تو پلیز مجھے ندیم کے نمبروں پر ضرور انفارم کر دیجیے گا۔"

میں دفتر سے اٹھ کر سیدھا گھر گیا جہاں ندیم میری امی کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

"یہ وقت ہے تمہارے آنے کا۔" اس نے مجھے دیکھتے ہی ٹوکا۔ "ابھی تک ہم نے تمہارے انتظار میں چائے بھی نہیں پی۔"

"سوری۔" میں نے بہانہ بنانے کی کوشش کی۔ "ایک ضروری کام تھا اس لیے دیر ہو گئی۔"

چائے کی میز پر بھی ندیم میری امی کی دلجوئی کی خاطر الٹی سیدھی باتیں سناتا رہا پھر جب امی چائے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئیں تو ندیم نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"اب بتاؤ کیا بات ہے؟"

میں نے ندیم کو دانش کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا تو وہ بھی سوچ میں پڑ گیا۔ خاصی دیر کسی خیال میں مستغرق رہا پھر بولا۔

"جے شنکر پانڈے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا دانش کے اغوا میں اس کا ہاتھ نہیں ہو سکتا؟"

"اسے بھلا دانش سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔"

"ممکن ہے طاغوتی قوتوں نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔"

"وہ اگر چاہیں تو دانش کو موت کے گھاٹ بھی اتار سکتی تھیں۔ اغوا کرانے سے انہیں کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔"

"تمہیں پریشان کرنا۔" ندیم نے اپنی منطق پیش کی۔ "اول تو تم اس بات کو یقین سے نہیں کہہ سکتے دانش کو اغوا ہی کیا ہو گا ممکن ہے اسے ٹھکانے لگایا جا چکا ہو اور دوسرے یہ کہ اگر تم پانڈے جی کو قطعی بری الذمہ سمجھ رہے ہو تو میں اسے تمہاری خوش فہمی ہی کہوں گا۔"

"مگر ظاہر پانڈے نے اب تک جو کردار ادا کیا ہے اس میں کسی شبے کی گنجائش نہیں پیدا ہوتی۔"

"یہ تمہاری ناتجربہ کاری ہے میری جان۔" ندیم نے مسکرا کر کہا پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "تم نے چونکہ ابھی تک زندگی کو قریب سے نہیں دیکھا اس لیے میرے مقابلے میں تمہارا تجربہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میری ہی مثال لے لو۔ تم نہ سہی لیکن زیادہ تر لوگ مجھے انتہائی شریف اور اونچی سوسائٹی کا ایک باعزت فرد سمجھتے ہیں۔ اندر کے حالات کیا ہیں۔ یہ کم ہی لوگ جانتے ہیں۔ اسی طرح پانڈے کے بارے میں بھی تم پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ تمہارے ساتھ دوغلی چال نہ چل رہا ہو۔ بزنس میں یوں بھی پروفیشنل جیلسی کو خاصا دخل ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پانڈے بھی اندر ہی اندر تمہاری کاٹ کر رہا ہو اور ظاہری طور پر تمہاری دوستی کا دم بھر رہا ہو۔"

"لیکن دانش۔۔۔"

"جہاں انتقامی جذبے ہوتے ہیں۔ وہاں اس قسم کے چھوٹے موٹے چٹکلے بھی ایک دوسرے کو پریشان کرنے کے لیے کرنے پڑتے ہیں۔" ندیم نے کہا۔ "جنگ اور محبت میں اعصاب کو قابو میں رکھنا سب سے اہم ہوتا ہے۔ اعصاب پر قابو نہ رہے تو ایک فریق دوسرے فریق کو بہ آسانی زیر کر لیتا ہے۔ پانڈے کے پروجیکٹ کی تباہی گوکل ورما کے مکان کا نیست و نابود ہونا۔ اس بات کا متقاضی تھا کہ تمہیں بھی کوئی نقصان پہنچایا جائے۔ جو تمہیں پہنچ چکا ہے۔ رہا دانش کا مسئلہ تو میرا ذاتی خیال ہے کہ اسے محض تمہارے اعصاب کو کمزور کرنے کی خاطر وقتی طور پر منظر عام سے ہٹا دیا گیا ہے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"ایسا ہی ہو گا۔" ندیم نے کہا۔ "میری بات بہرحال اس شخص سے زیادہ مستند ہو گی جو فٹ پاتھ پر بیٹھ کر طوطے سے فال نکلواتا ہے۔ بیشتر لوگ جانتے ہیں کہ جو شخص خود فٹ پاتھ پر بیٹھا ہے اسے اپنی قسمت کا کوئی حال نہ معلوم ہو وہ بھلا دوسرے کے لیے کیا پیشگوئی کر سکتا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔" میں نے پوچھا۔ "کیا ہمیں صرف ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا چاہیے یا کوئی جوابی کارروائی کرنی چاہیے۔"

"فی الحال میں ایک بات کو سب سے زیادہ اہمیت دے رہا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"تمہارے مکان کی تباہی کی اطلاع مجھے اور تمہارے سراج صاحب کو کسی سورس نے دی تھی جبکہ تمہیں خود موہنی نے فون کیا تھا۔"

"پھر تم کیا نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔" میں نے ندیم کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ طاغوتی قوتوں کے ساتھ اب کچھ انسانی طاقتیں بھی ہمارے خلاف سر ابھار رہی ہیں۔" ندیم نے کہا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ہو سکتا ہے پانڈے دیدہ و دانستہ تمہیں نقصان نہ پہنچانا چاہتا ہو لیکن کالی طاقتوں نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ تم اس کے سب سے بڑے تجارتی حریف ہو اس لیے وہ سامنے آئے بغیر تمہیں نقصان پہنچانے پر مجبور ہو اور ایسی شکل میں جبکہ اس کی ابتدا ہماری طرف سے ہوئی ہے۔"

"والد صاحب کی موت نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"تمہاری جگہ میں ہوتا تو شاید اس سے زیادہ کر گزرتا۔" ندیم نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "بہرحال اب بھی ہمارے پاس بہت سارے مواقع ہیں۔"

"نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "جب تک دانش کے

aazzamm@yahoo.com

سلسلے میں کوئی پیمانہ مل جائے تم کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گے۔"

"گویا دشمن نے جو حربہ استعمال کیا ہے وہ غلط نہیں ہے۔" ندیم نے کہا۔ "وہ تمہیں اعصابی طور پر کمزور کرنا چاہتا تھا۔ جس میں اسے ناکامی نہیں ہوئی۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔" میں نے پرجوش لہجے میں جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ اپنا دفاع کرتے ہوئے دشمن پر وار کرنے کے موثر طریقے کیا ہوتے ہیں۔"

"بہت خوب۔ گویا اب تم بھی سن بلوغت کی حد پھلانگ چکے ہو۔"

"آج تمہاری ماہ رخ کا فون آیا تھا۔" میں نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا۔

"مجھے یقین تھا کہ وہ ایسا ضرور کرے گی۔" ندیم معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "تم اسے انسانی روپ میں قوی طور چڑیل بھی کہہ سکتے ہو۔ جس کو ایک بار انسانی خون کا منہ لگ جائے تو پھر وہ ہمیشہ نئے شکار کی تلاش میں سرگرم عمل رہتی ہے اور میرا خیال ہے کہ تم اس کے لیے نہ صرف یہ کہ ایک جاندار بلکہ طاقتور شکار بھی ثابت ہو گے۔"

"اس نے مجھے اکیلے میں گھر آنے کی دعوت دی ہے۔" میں نے ندیم کو چھیڑا۔

"چشم ما روشن دل ما شاد۔" وہ بے پرواہی سے بولا۔ "میرا رنگ چونکہ کھلتا ہوا ہے اس لیے میں تمہارے حق میں رقیب روسیاہ ثابت نہیں ہوں گا۔"

"پہلی ہی ملاقات کے بعد وہ اس طرح کھل کر بے تکلفی کا اظہار کرے گی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"میں جانتا ہوں۔ ماہ رخ ہمیشہ دو ٹوک فیصلہ کرنے کی عادی ہے۔" ندیم نے کہا۔ "میں نے اسی روز اس کی نگاہوں کا مفہوم بھانپ لیا جس روز تم میرے ساتھ اس کی کوٹھی پر گئے تھے۔ وہ تمہیں ایسی ہی للچائی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے کسی معصوم بچے کو اس کی من بھاتی غذا نظر آ گئی۔"

"تم اسے معصوم کہہ رہے ہو۔" میں نے حیرت سے ندیم کو گھورا۔

"نہ سہی لیکن اس کے باوجود وہ بڑی کارآمد عورت ہے۔" ندیم بولا۔ "سیاسی اور اونچے حلقوں میں اس کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسی تاش کے پتوں میں ترپ کارڈ کی ہوتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اس سے ملتے رہنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ کبھی کبھی کوئی کھوٹا سکہ بھی کام آ جاتا ہے۔"

"کبھی میرے دماغ میں کوئی خلل واقع ہوا تو تمہاری بات پر غور کرنے کا وقت نکالنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ندیم بھی وہیں آ گیا۔

✦

ندیم کا اور میرا کمرا ملا ہوا تھا۔ میں رات کے کھانے کے کچھ دیر بعد ہی سردرد کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں آ گیا تھا پھر میں نے دس بجے کمرے کو اندر سے بند کر کے لائٹس آف کر دیں۔ بستر میں لیٹا میں ندیم سے ہونے والی گفتگو پر غور کرتا رہا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میرا ذہن مختلف زاویوں سے جے شنکر پانڈے کی شخصیت کا تجزیہ کر رہا تھا۔ بظاہر وہ ان تمام حادثات سے غیر متعلق نظر آ رہا تھا لیکن ندیم کی یہ دلیل بھی اپنی جگہ غلط نہیں تھی کہ بزنس میں ایک دوسرے سے جیلسی رکھنا ایک فطری اور کاروباری عمل ہے۔ اس کے علاوہ پہلی بار میرے ساتھ پیش آنے والے حادثہ کی اطلاع ندیم اور سراج دونوں کو کیسے ہو گئی تھی۔ ممکن ہے اس میں بھی موہنی کی پراسرار قوت کو دخل رہا ہو۔ اس نے پانڈے کو اپنی شیطانی قوت سے اس بات پر مجبور کر دیا ہو کہ وہ میرے خلاف کوئی انتقامی کارروائی کرے۔ وہ نسوانی آواز پانڈے کے اپنے کسی خاص اور قابل اعتماد کارندے کی بھی ہو سکتی تھی۔ ایک طرف موہنی نے مجھے اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہو اور دوسری طرف اس نے پانڈے کے ذہنوں کو آگ لگانے کا موقع فراہم کر دیا ہو۔

کاکا نے مجھ سے کہا تھا کہ میری ماں کی جان بچانے میں اس کا ہاتھ شامل ہے۔ میری ماں نے بھی یہی کہا تھا کہ بس بیٹھے بیٹھے اچانک ان پر کچھ عجیب قسم کی گھبراہٹ طاری ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی نادیدہ قوت ان کا گلا گھونٹ رہی ہو۔ انہوں نے ڈرائیور کو ڈاکٹر کو بلانے کے لیے روانہ کیا پھر باہر لان پر آ گئیں لیکن انہیں کسی پل چین نہیں مل رہا تھا پھر انہوں نے خانساماں کو بلا کر ڈاکٹر خان کی طرف یہ معلوم کرنے بھیجا کہ وہ گھر پر ہیں یا نہیں۔ [illegible] کے چند لمحوں بعد وہ اپنی بڑھتی ہوئی تکلیف کے پیش نظر [illegible] کے ساتھ ڈاکٹر خان کے گھر کی طرف چل دیں جو دو کوٹھی [illegible] پر واقع تھا۔ ہرچند کہ ڈاکٹر خان ہمارے فیملی فزیشن نہیں تھے لیکن والد صاحب سے ان کے کافی دیرینہ تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ دونوں گھروں میں ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا بھی تھا لیکن ابھی وہ ڈاکٹر خان کے بنگلے کے گیٹ تک پہنچی تھیں کہ ان کو ایسا محسوس ہوا جیسے زمین ان کے پیروں تلے کھسک گئی۔ وہ دھماکہ اتنا ہی شدید تھا کہ زمین تک لرز کر رہ گئی تھی۔ اس کے بعد دو دھماکے اور ہوئے اور پھر آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے میری پوری کوٹھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ والدہ کے علاوہ یہی بیان قرب و جوار میں رہنے والے دوسرے مکینوں کا بھی تھا لیکن سراج کے مطابق فائر آفیسر نے اس آگ کو شارٹ سرکٹ کا نتیجہ قرار دیا تھا۔ چنانچہ کہیں نہ کہیں کوئی جھول ضرور تھا۔

والٹر کی موٹر سائیکل کا میرے مکان کے قریب پایا جانا اور

اداس جنگل کی خوشبو

-------★ اے حمید

میں نے اس لڑکی کو دیکھا ہے، جس کی یہ ناکام داستان محبت ہے۔ وہ غروب ہوتے سورج کی غم زدہ روشنی میں چنار کے درختوں میں سے گزر رہی تھی۔ اس کا چہرہ اداس تھا۔ اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ رخساروں پر رات کو بہائے ہوئے آنسوؤں کے نشان تھے۔

آنسو خشک ہو گئے، محبت کرنے والے جدا ہو گئے۔۔۔

یادیں باقی رہ گئیں۔۔۔۔ یہ لڑکی کون تھی؟

"اداس جنگل کی خوشبو" اسی اداس چہرے والی لڑکی کی داستانِ محبت ہے۔

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

قیمت-/100 روپے

Scanned By Ali and Azam

Aleeraza@hotmail.com

Aazzamm@Yahoo.com

(Lahore & Sahiwal)

aazzamm@yahoo.com

خود اس کی گمشدگی بھی ایک ایسا معما تھی جسے ابھی تک حل نہیں کیا جا سکا تھا۔ پولیس اور فائر بریگیڈ کے عملے کے بیان کے مطابق انہیں وہاں ہڈیوں کا کوئی ایسا ڈھانچہ بھی نہیں ملا تھا جس پر دانش کے وجود کا شبہ کیا جا سکتا پھر وہ کہاں غائب ہو گیا تھا؟ کیا اسے اغواء کیا گیا تھا یا پھر اسے موت کے گھاٹ اتار کر سمندر برد کر دیا گیا تھا؟

میرے ذہن کے اندر ایک لاوا سا پک رہا تھا پھر ٹھیک دو بجے میں اپنے بستر سے اٹھا۔ سیاہ رنگ کا لباس زیب تن کیا کھڑکی کھول کر عقبی لان کی جانب سے حد بندی کی دیوار پھلانگ کر باہر آ گیا اور پیدل ہی پانڈے کی رہائش گاہ کی جانب چل پڑا جو بمشکل تین میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ مجھے یہ فاصلہ طے کرنے میں تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہوا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے درمیان میں ہر ممکنہ خطرے سے بچنے کا خاص خیال رکھا تھا اور اپنے گرد آہنی احتیاط کا حصار بھی کھینچ لیا تھا۔

پانڈے کی کوٹھی دو منزلہ تھی جس میں گراؤنڈ فلور پر ڈرائنگ، ڈائننگ کے علاوہ ایک ماسٹر روم آنے جانے والے مہمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ رہائشی کمرے اوپر تھے جہاں پانڈے اپنی مختصر فیملی کے ساتھ رہتا تھا۔ میری ذاتی معلومات کے مطابق اس کے صرف دو بچے تھے جن میں سے ایک کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور دوسرے کی بارہ سال، وہ دونوں ایک کمرے میں رہتے تھے جبکہ تیسرا بڑا کمرا پانڈے اور اس کی بیوی کے تصرف میں تھا۔ کمروں کے قریب ہی ٹی وی لاؤنج تھا۔ یہ تمام معلومات مجھے اس گرافک نقشے کے ذریعے حاصل ہوئی تھیں جو پانڈے نے اپنے آفس میں اپنی میز پر شیشے کے نیچے لگا رکھا تھا تاکہ اپنے کلائنٹس کو ون یونٹ بنگلے کی طرز تعمیر کے بارے میں ضروری معلومات بہ آسانی فراہم کر سکے۔

میری توقع کے عین مطابق پانڈے کے مین گیٹ پر ایک چوکیدار موجود تھا۔ چنانچہ مجھے اس میں داخل ہونے کے لیے بھی عقبی دیوار ہی پھلانگنی پڑی تھی لیکن اس سے پیشتر میں نے سیاہ رنگ کا ایک ماسک اپنے چہرے پر چڑھا لیا تھا جس کے بعد میری شناخت ناممکن ہو گئی تھی۔ دیوار پھلانگنے کے بعد میں کچھ دیر تک مالتی کی جھاڑیوں کے عقب میں دبکا بیٹھا رہا۔ میرا آٹومیٹک بڑی مضبوطی سے میرے سیدھے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ میں نے حفاظتاً اس پر سائیلنسر بھی لگا لیا تھا کہ اس کے استعمال سے کوئی شور وغل نہ ہو سکے۔ اس کا اندازہ لگانے کے بعد کہ قرب و جوار میں کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہے۔ میں آہستہ سے کھڑا ہوا اور تقریباً پنجے کے بل دوڑتا ہوا عمارت تک پہنچ گیا۔ عمارت کی پہلی منزل تک پہنچنے کے لیے پشت پر کوئی راستہ موجود نہیں تھا۔ غالباً پائپ لائنز کو بھی اس طرح کھانچا بنا کر فٹ کرنے کے بعد اوپر سے نیچے تک کور کر دیا گیا تھا کہ وہ باہر سے نظر نہیں آتے تھے۔ میں مجبوراً دیوار کے ساتھ چپکا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھا جہاں کوئی شخص روش اور عمارت کو ملانے والے خوبصورت زینے پر گول پلر سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ وہ شاید بنگلے کا چوکیدار تھا جو کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کی خاطر وہاں بیٹھ گیا تھا۔ پلر کے ساتھ ہی اس کی دونالی بھی ٹکی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کو مجھے احساس ہوا تھا کہ محض ایک چوکیدار اس وسیع و عریض بنگلے کے لیے ناکافی تھا مگر میں نے اس وقت اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔

اسلم راہی ایم-اے کے تاریخی ناول

اندھیروں کے سائبان 200/-
تاریک رزم گاہ 200/-
صقلیہ کا مجاہد 150/-
عقاب 150/-
صحرا کی آگ 150/-
قتیبہ بن مسلم 150/-
موت کے مسافر 150/-
یثرب کا ابلیس 150/-
سنہری غول 150/-

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

بنگلے کی صدر عمارت میں داخل ہونے کی خاطر میرے لیے ضروری تھا کہ پہلے اس چوکیدار نما شخص سے دو دو ہاتھ کر لوں۔ چنانچہ میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر دوڑنے کی بجائے آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھتا رہا۔ مجھے اس کے قریب پہنچنے میں بمشکل منٹ صرف ہوئے تھے۔ وہ جاگ رہا تھا اور کبھی کبھی نظریں گھما کر دائیں بائیں دیکھ لیتا تھا لیکن شاید اسے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ کوئی دشمن عقب سے بھی اس پر اچانک حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر میں نے پہلے بڑی آہستگی سے اس کی رائفل پر قبضہ کیا پھر اس سے پہلے کہ اسے میری موجودگی کا احساس ہوتا میرا الٹا ہاتھ بڑی مشاقی اور برق رفتاری کے ساتھ اس کے گلے میں پھانسی کے پھندے کی طرح لپٹ گیا۔ اس نے خود کو میری گرفت سے آزاد کرنے کی بھرپور کوشش کی، وہ شاید منہ سے آواز نکال کر سوتوں کو اور محو خواب دوسرے ملازمین کو خطرے کا احساس دلانا چاہتا تھا لیکن میں نے خطرے کو بھانپ کر پوری شدت سے اس کی گردن کو جھٹکا دیا تو اس کی آواز ایک معمولی سی خرخراہٹ کے بعد اس کے حلق میں ہی دفن ہو گئی۔ پولیس کی تربیت اس وقت میرے بڑے کام آ رہی تھی۔ میرے ایک ہی جھٹکے نے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب وہ کم از کم دو گھنٹے تک دوبارہ ہوش میں نہیں آ سکے گا۔ چنانچہ میں نے صدر دروازے کے قریب پہنچ کر جیب سے ایک موٹا اور سخت سا تار نکالا پھر اس ڈور لاک کو کھولنے میں مجھے کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی جس کے بعد میں عمارت میں داخل ہو گیا۔ نچلے حصے میں کوئی موجود نہیں تھا۔ اس کا اطمینان کر لینے کے بعد میں زینے طے کرتا ہوا تیزی سے پہلی منزل پر پہنچ گیا۔ جہاں صرف ایک کمرے سے ہلکی ہلکی لائٹ باہر آ رہی تھی۔ باقی کمرے تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں پنجوں کے بل چلتا ہوا روشن کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا دروازہ بھی اندر سے لاک تھا لیکن کھڑکی کے پردوں کے درمیان اتنی جھری موجود تھی جس سے روشنی کی کرنیں باہر نکل رہی تھیں۔ میں نے کھڑکی سے چپک کر اندر کی جانب دیکھا۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہی میرا مطلوبہ کمرا تھا جس میں اس وقت بے فکر پانڈے اپنی خوبصورت دھرم پتنی کے ساتھ دو جان ایک قالب ہو رہا تھا۔ سائڈ ٹیبل پر گلاس اور شراب کی بوتل بھی موجود تھی۔ مجھے یاد آیا کہ وہ ویک اینڈ کی رات تھی جسے اکثر لوگ سہاگ رات کی طرح منانے کے عادی ہوتے ہیں۔

میں خاموشی سے دروازے کی طرف پلٹا۔ مجھے ایک بار پھر ڈور لاک کھولنے کی خاطر اسی مڑے تڑے تار کا سہارا لینا پڑا جس کی مشق میں تربیت کے دوران ہی خاصا مشتاق ہو گیا تھا۔ بمشکل دو تین منٹ کی کوشش کے بعد اندر سے پش بٹن کے کھلنے کی "ٹک" کی آواز ابھری اور دوسرے ہی لمحے میں تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ چٹ کی آواز سن لینے کے بعد پانڈے کو کسی خطرے کا احساس ہو گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے دفاع کی خاطر کوئی موثر تدبیر اختیار کرتا میں اس کے سر پر ریوالور تانے موت کی طرح سوار تھا۔ اس کی خوبصورت بیوی نے تیزی سے خود کو رضائی کے اندر سمیٹ لیا تھا، لیکن پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "مجھے افسوس ہے پانڈے جی مہاراج کہ میں نے آپ کے رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔" میں نے بدلی ہوئی آواز میں بڑی سفاکی سے کہا۔ "پر تو آپ کو بہرحال میری وارننگ کا خیال رکھنا ہو گا۔ آپ نے اگر چھل کپٹ سے کام لینے کی کوشش کی تو مجھے مجبوراً آپ دونوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کا پاپ کرنا پڑے گا۔ آپ کی مکتی اسی میں ہے کہ میری باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیتے رہیں۔"

"تم... جتنی چاہے دولت مانگ لو لیکن مجھے جان سے مت مارو۔" پانڈے ایک ہی دھمکی میں لرزنے لگا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ محض جان بچانے کی خاطر اداکاری کر رہا ہو۔

"تمہارا خیال غلط ہے پانڈے جی۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے اس سے کسی دھن دولت کے کارن تمہارے کمرے میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔ مجھے کیول اپنے سوالات کے جواب چاہییں۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"نہیں سندری۔" میں نے قہر آلود نظروں سے مسز پانڈے کو دیکھا جس کا سیدھا ہاتھ آہستہ آہستہ تکیے کی طرف سرک رہا تھا۔ "تم اپنے دونوں ہاتھ اپنے سندر شریر کے اوپر ہی رکھو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ مجھے پہلے تمہیں اپنے اور پانڈے جی کے درمیان سے ہٹانا پڑے۔"

مسز پانڈے جو بلاشبہ ایک خوبصورت اور حسین جسم کی مالک تھی گھبرا کر اپنے دونوں ہاتھ سامنے کر لیے۔ موت کا تصور اس کی آنکھ میں ابھر کر اس طرح ساکت ہو گیا تھا کہ اب وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے بھی خوف محسوس کر رہی تھی۔ اسے خوف زدہ کرنے کے بعد میں پانڈے کی طرف متوجہ ہوا۔

"پانڈے جی۔ کیا تم سیوک کو یہ بتانا پسند کرو گے کہ تم نے کس کے اشارے پر شہباز خان کی کوٹھی کو آگ لگانے کی حماقت کی تھی۔"

"میں نے..." پانڈے چونکا لیکن اپنی آنکھوں میں ابھرنے والی حیرت کو نہ چھپا سکا۔ جلدی سے بولا۔ "تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ میں..."

"میں سچ معلوم کرنے کے کارن یہاں آیا ہوں پانڈے جی۔" میں نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اگر آپ نے شرافت سے زبان نہ کھولی تو مجھے مجبوراً" آپ کی زبان کھلوانے کی خاطر آپ کی سندر دھرم پتنی کے شریر کے کچھ

aazzamm@yahoo.com

ٹکڑے کاٹنے پڑیں گے جس کا مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا۔"

"میں نے جو کچھ کیا وہ موہنی کی مہان شکتی کے کہنے پر کیا۔" پانڈے نے فوراً ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ "اگر میں ایسا نہ کرتا تو شاید وہ مجھے زندہ نہ چھوڑتی۔ میری بات کا وشواس کرو۔ اس نے یہی کہا تھا کہ اگر میں نے اس کی آگیا کا پالن نہ کیا تو وہ مجھے کتے کی موت مار دے گی۔"

"کتے کی موت تو میں بھی تمہیں مار سکتا ہوں۔ پر تو میں ایسا نہیں کروں گا۔" میرے لہجے میں بلا کی سفاکی آگئی۔ میں نے اسے قہرآلود آواز میں مخاطب کیا۔ "اب اس شخص کا نام بھی اگل دو۔ جس نے تمہارے اشارے پر باس کی کوٹھی کا ستیاناس کیا ہے۔"

"میں اس کا نام نہیں جانتا۔ میں نے اسے دیکھا بھی۔" پانڈے جلدی سے بولا۔ "میں نے کیول اس کی آواز فون پر سنی تھی۔ اس نے موہنی کا حوالہ دے کر مجھ سے بات کی تھی۔"

"چلو مان لیتا ہوں لیکن تمہارے درمیان سودا کتنے میں طے ہوا تھا۔"

"میری بات کا وشواس کرو۔ میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی تک اس نے نہ مجھ سے کسی رقم کا مطالبہ کیا ہے" نہ دوسری بار بات کی ہے۔ ویسے اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے کام کی اجرت مجھ سے ضرور وصول کرے گا۔"

میں نے سیاہ چشمے کے پیچھے سے پانڈے کا جائزہ لیا۔ وہ شاید غلط بیانی سے کام نہیں لے رہا تھا پھر بھی میں نے اسے کریدنے کی خاطر تیزی سے سوال کیا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے کہ دانش نامی شخص کو کہاں رکھا گیا ہے؟"

"دانش۔" پانڈے نے اس نام کو دہراتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ نام میں پہلی بار تمہارے منہ سے سن رہا ہوں۔"

"موہنی نے تم سے کیا کہا تھا۔" میں نے دوسرا زاویہ آزمانے کی کوشش کی۔

"اس نے کیول اتنا کہا تھا کہ میں اس کے حوالے سے ملنے والی فون کال پر بلا چوں و چرا کے عمل کرتا رہوں۔ ورنہ وہ مجھے اپنی شکتی سے نشٹ کر دے گی۔" پانڈے نے اس بار مری ہوئی آواز میں کہا۔ "شاید اس سے بھی اس کی آتما کہیں آس پاس موجود ہو۔ وہ شاید اب مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

"اس کی چنتا مت کرو۔" میں نے بڑے وثوق سے کہا۔ "جہاں میرے جیسا راکشش موجود ہو۔ وہاں پلید اور گندی شکتیاں دور دور تک بھٹکنے کی جرات نہیں کر سکتیں لیکن اس بات کا وشواس کس طرح کرلوں کہ تم نے مجھے جو کچھ بتایا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں ہے؟"

"تم اس کی تصدیق شہباز سے بھی کر سکتے ہو۔" پانڈے نے تیزی سے جواب دیا۔ "میں نے اسے بہت ساری باتیں ایسی بھی

نامور ادیبوں کے بارے میں نامور ادیبوں کی تحریروں کا منفرد مجموعہ

ممتاز ادیبوں کے منتخب خاکے

★---- ضیاء ساجد

قیمت: -/120 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

بتا رکھی ہیں۔ جس کا علم ہمارے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ پانڈے نے یقیناً کوئل ورما کی بات میرے علاوہ کسی اور کو نہیں بتائی ہوگی۔ اس کا آخری جملہ اس بات کی ترجمانی کر رہا تھا کہ وہ مجھ سے دروغ سے کام نہیں لے رہا۔

"تمہیں میری ایک بات کا دھیان رکھنا ہوگا۔" میں نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ "میں تم سے پھر کسی وقت فون پر بات کروں گا اگر تمہیں اس انجان آدمی کا فون دوبارہ موصول ہو تو تم اس سے دانش کے بارے میں ضرور معلوم کرو گے۔"

"تم نے باس کس کو کہا تھا؟ کیا تم شہباز خان کے آدمی ہو۔"

"ان چکروں میں بے پرواہ نہ کرو۔ کیول ایک نام یاد رکھنا راکشش۔" میں نے حقارت سے جواب دیا۔ "میں اب تم دونوں کو جیوت (زندہ) چھوڑ کر واپس جا رہا ہوں۔ موہنی کی پلید آتما کا فون ملے تو اس سے بھی میری بات نہ کرنا اور ہاں، میرے جانے کے بعد ایک گھنٹے تک تم اپنے کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرو گے ورنہ ہو سکتا ہے کہ میرے دوسرے مترجو تمہاری کوٹھی کے آس پاس موجود ہیں۔ تمہیں بھون کر رکھ دیں۔" پھر میں نے ایک نظر سنروما کی طرف دیکھا جو بدستور سکڑی سمٹی اور سہمی اپنے جسم کو رضائی کے اندر لپیٹے پڑی تھی پھر میں نے آخری بار پانڈے کو دیکھا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں میرے جانے کے بعد بھی میری دی ہوئی

دھمکی کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی جسارت نہیں کریں گے۔ میں نے پانڈے کی خوابگاہ سے اپنی خوابگاہ تک واپسی کا سفر بھی پوری احتیاط سے طے کیا تھا۔

✿

صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا کہ ندیم میرے کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت میں ایک قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی باندھ رہا تھا۔

"اب تمہارے سر کا درد کیسا ہے؟" ندیم نے میری خیریت دریافت کی۔

"پہلے سے بہت بہتر ہے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "رات سونے سے پہلے میں نے سردرد کی گولیاں کھائی تھیں اس لیے اب خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔"

"تم شاید جلدی سو گئے تھے" ندیم نے کہا اس کا لہجہ نارمل ہی تھا۔ "میں رات دس بجے تمہاری طرف آیا تھا لیکن لائٹ آف تھی اس لیے واپس چلا گیا۔"

"اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟"

"فی الحال لیٹ کر لمبی تان کر دوبارہ سو جاؤں گا۔" ندیم مسکرایا۔ "میرے اور تمہارے اندر صرف رات اور دن کا فرق ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب بہت واضح ہے۔ تم دن بھر کاروبار کرنے کے بعد رات کو سوتے ہو اور میں دن بھر آرام کرنے کے بعد رات کو کاروبار شروع کرتا ہوں۔"

"میرا اب بھی تمہارے لیے یہی پر خلوص مشورہ ہے کہ یہ نائٹ کلب اور کیسینو وغیرہ کے چکر سے باز آجاؤ۔" میں نے ندیم کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "اب تم تنہا نہیں ہو' نسیم کا بوجھ بھی ہے' تمہارے کندھوں پر۔ تمہارے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ کوئی بھی دوسرا شریفانہ کام شروع کر سکتے ہو۔"

"اگر میں نے کوئی شریفانہ بزنس شروع کر دیا ہوتا تو شاید اس وقت تم سے گفتگو کرنے کے بجائے تمہاری تجہیز و تکفین کے کاموں میں الجھا ہوتا۔" اس بار ندیم کا لہجہ بے حد معنی خیز تھا۔ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال میں تمہیں صرف اتنا سمجھا سکتا ہوں کہ جو حماقت تم نے کل رات کی تھی۔ اسے دوبارہ نہ کرنا۔" ندیم نے مجھے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہاری اطلاع کے لیے ایک بات اور عرض کردوں کہ بے فکر پانڈے کی کوٹھی پر ایک نہیں' بلکہ دو گارڈ رات بھر پہرہ دیتے ہیں۔ جس وقت تم دیوار پھلانگنے کے بعد مالتی کی جھاڑی کی اوٹ میں چھپے تھے۔ اس وقت مخفی پہرہ دینے والے گارڈ نے جو ایک محفوظ مقام پر بیٹھا تھا تمہیں دیکھ لیا تھا۔ وہ تمہیں نشانہ بنانے والا تھا لیکن تم خوش قسمت تھے جو بچ گئے۔ اگر میرے آدمیوں نے بروقت اس گارڈ کو قابو کر کے دوسری دنیا کے سفر پر روانہ نہ کیا ہوتا تو تم اس وقت یہاں اتنے اطمینان سے کھڑے ٹائی نہ باندھ رہے ہوتے۔"

"اوہ۔ گویا تمہیں حالات کا علم ہو چکا ہے۔"

"ہاں وہ میرے جاں نثار ساتھیوں کو جو مجھ سے دور رہنے کے بعد بھی میری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب رہتے ہیں۔" ندیم نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ تم نے مجھ سے مشورہ کیے بغیر رات والی حماقت کس لیے کی تھی؟"

"میں دیکھنا چاہتا تھا کہ میرے مکان کو نذر آتش کرنے میں پانڈے کا ہاتھ کس حد تک شامل ہے۔" میں نے ندیم کو مکمل تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس نے مجھ سے غلط بیانی سے کام نہیں لیا ہوگا۔"

"تم شاید اب بھی کسی خوش فہمی کا شکار ہو۔" ندیم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "پانڈے' موہنی کی پراسرار گندی طاقتوں کے مقابلے میں تمہیں ترجیح دے گا۔ یہ بات میرے حلق کے نیچے نہیں اتر سکتی بہرحال' میرا مشورہ ہے کہ آئندہ تم پانڈے سے محتاط ہی رہنا۔ جھوٹ اور سچ کیا ہے۔ اب میرے آدمی پانڈے سے اگلوائیں گے۔ میں نے گزشتہ رات ہی ضروری ہدایت کر دی ہیں۔ برائے مہربانی تم درمیان میں ثالث بننے کی کوشش نہ کرنا۔"

میں ابھی جواب دینے کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔

"ہاں۔ میری فکر نہ کرنا۔" دوسری جانب سے دانش نے میری آواز پہچانتے ہوئے بڑی مدھم آواز میں کہا۔ "آپ کو اب محتاط رہنے کی زیادہ ضرورت ہے اس لیے کہ کے۔ کک۔ کک۔۔۔۔ کک۔" اس کے ساتھ ہی دانش کی آواز گھٹتی چلی گئی۔ شاید کسی نے اچانک پشت سے وار کر کے دانش کی بات پوری نہیں ہونے دی تھی۔

"ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔" میں نے اسے متعدد آوازیں دیں لیکن دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں ملا پھر ہلکی سی کلک کی آواز کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

aazzamm@yahoo.com

Scanned By Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

"کس کی کال تھی؟" عدیم نے میرے چہرے کے بدلتے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"دانش کی۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"پھر...... تم نے ریسیور رکھ کیوں دیا؟"

"دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"دانش کوئی اہم بات کہنا چاہتا تھا لیکن وہ بات مکمل نہ کر سکا۔" میں نے دانش کا نامکمل جملہ دہراتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ دانش نے کوئی اہم سراغ پالیا ہے جس سے وہ مجھے باخبر کرنا چاہتا تھا مگر میرے دشمنوں نے بروقت اس پر حملہ کر کے اس کی زبان بند کر دی۔"

عدیم نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک بڑی سنجیدگی سے کسی خیال میں منہمک رہا پھر میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ دانش تمہیں ان لوگوں کی شخصیت سے باخبر کرنا چاہتا تھا جنہیں موہنی کے کہنے پر تمہارے پیچھے لگایا گیا ہے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جس طرح دانش نے تمہارے دشمنوں کے کسی گروہ کا تعاقب کیا تھا ممکن ہے بالکل اسی طرح دشمن کا کوئی ساتھی بھی دانش کے پیچھے لگ گیا ہو اور اسی نے دانش کو وقتی طور پر خاموش کر دیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔ "اگر تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا تو پھر دانش کی زندگی کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔"

"ضروری نہیں ہے۔" عدیم نے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دانش کے ذریعے تمہارے ساتھ کوئی سودے بازی کریں۔"

میں ابھی کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور عدیم نے جلدی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھانے کے بجائے اسپیکر فون کا بٹن آن کر دیا۔ "ہیلو۔ عدیم بول رہا ہوں۔" اس نے مائیک سے قریب ہو کر سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے تم سے نہیں' مسٹر شہباز سے بات کرنی ہے۔" دوسری جانب سے کھردرے لہجے میں کہا گیا۔ وہ جو بھی تھا آواز بدل کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کون ہو تم؟"

"تمہیں میرے نام سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ فون شہباز کو دو۔" دوسری طرف سے تحکمانہ انداز میں جواب ملا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں فون کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔" عدیم نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ "کم از کم تمہاری گفتگو سے میں نے یہی اندازہ لگایا ہے کہ تمہارا تعلق ان لوگوں میں سے نہیں ہے جنہیں شریف اور تمیزدار کہا جا سکے۔"

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔" حقارت سے کہا گیا۔ "مجھے مسٹر شہباز سے کچھ اہم بات کرنی ہے۔ ریسیور اس کے حوالے

کرو۔"

"کیا فون پر کسی قسم کی غنڈہ گردی کرنے کا ارادہ ہے؟"

"میرا ایک مشورہ مانو گے مسٹر عدیم۔"

"کہو۔" عدیم نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "میں سن رہا ہوں۔"

"تمہارے حق میں بہتر ہے کہ ہمارے اور شہباز کے درمیان آنے کی کوشش نہ کرو ورنہ خسارے میں رہو گے۔"

"اگر تم میرے بارے میں جانتے ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ بزنس میں نفع اور نقصان دونوں کے امکانات ہوتے ہیں اس لیے مجھے خسارا ہونے کی صورت میں بھی کوئی افسوس نہیں ہو گا کیونکہ میں خسارا پورا کرنے کے طریقوں سے بھی بخوبی واقف ہوں۔"

"کیا میں یہ سمجھوں کہ تم میرا وقت برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"تم شہباز سے کس سلسلے میں بات کرنا چاہتے ہو؟"

"اس کا علم تمہیں بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک۔" عدیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اب تم نے ایک قاعدے کی بات کی ہے اس لیے میں ریسیور شہباز کے حوالے کر رہا ہوں۔"

"ہیلو۔" میں نے عدیم کے اشارے پر مائیک کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ "میں شہباز بول رہا ہوں۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم اس وقت شاید دانش کے سلسلے میں پریشان ہو رہے ہو گے کیوں؟"

"کیا تم دانش کو جانتے ہو؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں لیکن صرف اس حد تک کہ اس نے ہمارا تعاقب کر کے اپنی موت ہی کو دعوت دی ہے۔"

"آئی سی۔" میں چونکا۔ "کیا اس وقت دانش تمہارے قبضے میں ہے۔"

"تمہاری جگہ کوئی بچہ ہوتا تو وہ بھی یہی نتیجہ اخذ کرتا۔"

"کیا چاہتے ہو؟" میں نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے اس ملک سے اپنا منہ کالا کر لو' دوسری صورت میں شاید تمہیں ساری عمر پچھتانے کے علاوہ اور کوئی کام باقی نہ رہے گا۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو شاید تم ہی لوگوں نے میرے مکان کو آگ بھی لگائی ہے؟"

"ہاں۔ ہم انکار نہیں کریں گے۔" دوسری جانب سے سفاک انداز اختیار کیا گیا۔

"پانڈے سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"وہی جو مفلسی کا دولت سے ہوتا ہے۔"

"اور اگر میں تمہیں پانڈے کے مقابلے میں زیادہ رقم کی آفر دوں تو؟"

"سوری۔ یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔ ہم ایک بار جس پارٹی سے کنٹریکٹ کر لیتے ہیں اس کے ساتھ دغا نہیں کرتے۔" اس بار تضحیک آمیز لہجے میں جواب ملا۔ "ہاں تم اگر چاہو تو ہم دانش کے سلسلے میں تمہارے ساتھ سودے بازی کر سکتے ہیں۔"

"کتنی رقم درکار ہے؟"

"دس لاکھ۔ اس میں کمی کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔"

میں نے عدیم کو دیکھا جو بڑی توجہ سے ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے اشارے سے مجھے گفتگو جاری رکھنے کی ہدایت کی۔

"واپسی کا طریقہ کار کیا ہو گا؟" میں نے دریافت کیا۔

"تم کل شام تک ہماری مطلوبہ رقم پانڈے کو کیش کی شکل میں پہنچا دو۔ دانش تمہیں واپس مل جائے گا۔"

"کیا تم اتنا بڑا رسک لینے کو تیار ہو؟" میں نے کہا۔ "اس صورت میں کہ جب وہ تمہیں شناخت کر چکا ہے۔"

"اس کی فکر مت کرو۔ یہ سب سوچنا ہمارا کام ہے۔"

"اور اگر میں تمہاری مطلوبہ رقم......"

"شہباز خان۔" دوسری جانب سے کرخت لہجے میں جواب ملا۔ "ہم اگر مگر سننے کے عادی نہیں ہیں' تمہیں سودا منظور ہے تو ہاں کہو۔ ویسے میرا خیال ہے کہ تم دانش جیسے جاں نثار کو اس سے بدتر حالت میں دیکھنا پسند نہیں کرو گے جس میں ٹونی جلا ہے۔"

ماسٹر ٹونی کی مثال دے کر اس نے مجھے دانش کے انجام سے باخبر کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں ایک لمحہ کو لرز کر رہ گیا۔ میرے دشمنوں اور ماورائی قوتوں نے مل کر ماسٹر ٹونی کو لب گور تک پہنچا دیا تھا۔ اس کی زندگی اپاہجوں سے بدتر کر دی تھی' اگر دانش نے واقعی میرے دشمن کا سراغ پالیا تھا تو پھر ان سے ہر بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔ میرے والد کا انجام میرے سامنے تھا۔ اس کے بعد اگر کاکا نے بروقت میری ماں کو ڈاکٹر خان کے ہاں جانے پر مجبور نہ کیا ہوتا تو شاید وہ بھی مکان کے ساتھ جل کر خاک ہو جاتی۔

پانڈے نے مجھ سے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اس نے موہنی کی قوت سے خوفزدہ ہو کر کسی نادیدہ شخص سے فون پر بات کی تھی۔ وہ اس سے واقف نہیں تھا۔ اس نے مجھے یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کول ورما ایک بدروح کی صورت میں ابھی تک اس کی فرم میں کام کر رہی تھی۔ میرا ذہن الجھنے لگا۔ میں نے سوچا۔ اگر موہنی کے بارے میں پانڈے نے غلط بیانی نہیں کی تو پھر کول ورما کہاں سے پیدا ہو گئی؟ میں نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا تھا پھر ایک ہی وقت میں ان دونوں کا نام کس طرح آ رہا تھا؟ پانڈے کا بیان اگر حقیقت پر مبنی تھا کہ اس نے کرائے کے دہشت گردوں سے صرف فون پر بات کی تھی تو پھر دانش کے سلسلے میں دس لاکھ کی خطیر رقم

aazzamm@yahoo.com

پانڈے کے حوالے کرنے کو کیوں کہا جا رہا تھا؟ موہنی جو بذات خود ایک شیطانی قوت تھی اس نے پانڈے کو کسی اجرتی قاتل یا قاتلوں سے بات کرنے کی ہدایت کیوں کی تھی؟

میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"تمہارے پاس وقت کم ہے مائی ڈیئر مسٹر شہباز۔" مائیک پر دوسری جانب سے بولنے والی کی سرد آواز ابھری۔ "اگر تم مجھے باتوں میں الجھا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہو کہ میں کس نمبر سے بات کر رہا ہوں تو اس میں تمہاری کامیابی ممکن نہیں اس لیے کہ میں ایک پبلک بوتھ سے فون کر رہا ہوں۔ تمہارے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے کہ ہماری بات مان لو ورنہ دانش تمہیں کس حالت میں ملے گا تم شاید اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"مجھے یہ سودا منظور ہے۔" میں نے ندیم کے اشارے پر کہا۔ "لیکن میں پانڈے کو درمیان میں نہیں لانا چاہتا۔"

"وقت مت ضائع کرو۔ میں صرف ہاں یا نہیں میں جواب سننا چاہتا ہوں۔"

"تم شاید میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔" میں نے اسے گفتگو میں الجھانے کی خاطر کہا۔ "اگر میں نے پانڈے والی شرط مان لی تو میری ساکھ۔۔۔"

"جہنم میں گئی تمہاری ساکھ۔" حقارت سے کہا گیا۔ "ہماری آفر پر پھر غور کر لو۔ میں دو گھنٹے بعد تمہیں دوبارہ فون کروں گا اور ہاں مسٹر ندیم یا کسی اور کو درمیان میں لانے کی حماقت نہ کرنا ورنہ تمہارا انجام خطرناک ہی ہوگا۔"

اس کے ساتھ ہی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ میں نے ندیم کی سمت دیکھا جو کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ میں اس وقت سوائے اندر ہی اندر کھولنے کے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ دانش نے میری خاطر جو قدم اٹھا لیا تھا مجھے اس کے بارے میں مطلق کوئی علم نہیں تھا لیکن وہ بہرحال میری ہی ٹیم کا ایک فرد تھا۔ ماسٹر نوبی ابھی تک ہسپتال میں تھا اور اب دانش کی زندگی خطرے میں تھی۔ فون کرنے والے نے مجھے جو دھمکی دی تھی وہ اسے عملی جامہ بھی پہنا سکتا تھا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ موہنی کی گندی قوت پانڈے کا ساتھ دے رہی تھی۔ میرے لیے دس لاکھ کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مشین کا کوئی اہم پرزہ اگر ناکارہ ہو جائے تو پوری مشین ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہے۔ دانش بھی میری مشینری کا ایک اہم پرزہ تھا۔ اس نے پانڈے کے پروجیکٹ کو میرے صرف ایک اشارے پر بڑی بے جگری سے بم مار کر تباہ و برباد کر دیا تھا۔ رحمانی قوتوں اور آیت الکرسی کی برکتوں نے اسے دشمنوں کی نظروں سے بچا لیا تھا لیکن میرے گھر کو لگنے والی آگ کے شعلے اسے ایک بار پھر روشنی میں لے آئے تھے۔ شاید دانش نے ان افراد کو دیکھ لیا تھا جنہوں نے میرے مکان کو آگ لگائی تھی۔ اسے یقیناً کسی پر شبہ ہوا ہوگا جو وہ اس کے تعاقب میں لگ گیا پھر شبے کے یقین میں بدل جانے کے بعد ہی اس نے مجھے فون کر کے محتاط رہنے کی تاکید کی تھی۔ وہ مجھے ان مشتبہ فرد یا افراد کے نام بھی بتانا چاہتا تھا لیکن بروقت دشمنوں نے اس کی زبان بند کر دی اور اب وہ مجھ سے دانش کی زندگی کے عوض دس لاکھ کا مطالبہ کر رہے تھے۔

میرے ذہن میں تیز آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔ نادیدہ قوتیں مجھے پانڈے کے راستے سے ہٹانا چاہتی تھیں۔ پانڈے سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن شاید وہ نرنجن لال کی موت کا قرض چکتا کرنے کی خاطر میرے خلاف برسرپیکار ہو گئی تھیں۔ فرقہ واریت کی اس فضا میں میرے قدم ایک لمحے کو بھی نہیں لڑکھڑائے تھے۔ مجھے اس بات پر یقین تھا کہ موت برحق ہے۔ اس کا ایک وقت معین ہے جسے کوئی نہیں ٹال سکتا چنانچہ میں حالات سے ہراساں نہیں ہوا تھا لیکن والد صاحب کی اذیتناک موت اور ماں کو پیش آنے والے خطرے جو صورت حال اختیار کر لی تھی اس میں میرے قدم ڈگمگانے لگے تھے۔ میرے اندر کی مشینری کا کوئی پرزہ آہستہ آہستہ اپنی قوت مدافعت کم کرنے لگا تھا۔ ماں کے قدموں تلے اولاد کی جنت ہوتی ہے اور جنت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ اس کے حصول کی خاطر انسان اپنی عمر عزیز کا ایک طویل عرصہ عبادتوں اور ریاضتوں میں گزار دیتا ہے پھر بھی اسے اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ خدا کے حضور اس کی جبہ ریزی نے شرف قبولیت کا درجہ حاصل کر لیا ہوگا۔ کبھی کبھی انسان کی صرف ایک نیکی اس کے تمام زندگی کے گناہوں کو بخشوانے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ قدم کی صرف ایک لڑکھڑاہٹ برسوں کی عبادتوں کو رائیگاں کر دیتی ہے۔

میں جو کچھ بھی تھا والدین کی دعاؤں کا اس میں سب سے زیادہ دخل تھا۔ پھر؟ میں نے خود کو حالات کی منجدھار میں کاغذ کی کسی ناؤ کی مانند ہچکولے کھانے کے لیے کیوں چھوڑ دیا تھا؟ میرے دشمن مجھے صرف ملک بدر کر کے اپنی کامیابی کا جشن منانا چاہتے تھے۔ اس کے عوض اگر میری ماں کی زندگی بچ سکتی تھی تو پھر میں نے خود کو کسی کشمکش میں کیوں ڈال رکھا تھا؟ جنت کے حصول کی خاطر میرے دشمنوں کی گندی قوتوں نے جو بولی لگائی تھی وہ بہت کم تھی۔ بڑا سستا سودا تھی۔ مجھے ان کی شرط مان لینی چاہیے تھی۔ میں نے سوچا۔ میں نے فیصلہ کرنے میں دیر لگا کر کسی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا اس لیے کہ ساری کائنات کی دولت بھی ماں کا نعم البدل نہیں ہو سکتی لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ موہنی نے ایک موقع پر مجھ سے کہا تھا کہ اب میرے لیے فیصلے کا وقت گزر چکا ہے۔ وہ دنیا کے کسی کونے میں بھی مجھے سکون کا سانس نہیں لینے دے گی۔ شاید کومل ورما کی موت اور اس کی ماں کی عبرتناک موت نے موہنی کو اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کر دیا

نور جہاں
★ ------ الماس ایم۔اے
مرزا غیاث بیگ ایرانی کی بیٹی
آصف جاہ کی بہن اور
شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر کی محبوب ترین بیگم --------
-------- جس کے چشم و ابرو کے اشارہ سے امیروں اور فقیروں کی تقدیریں بدل جاتی تھیں۔ جس کی پیشانی کی شکنیں نظام سلطنت کو درہم برہم کر دیتی تھیں۔ عقل و فراست، عزم و استقلال، جلال و جمال اور حسن و سیرت اور حسن صورت کا دلفریب شاہکار--------
ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2
قیمت: -/75 روپے

تھا۔ وہ ہر قیمت پر مجھے تباہی اور بربادی سے دوچار کرنے کا مصمم ارادہ کر چکی تھی۔ میرے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ عذر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"شہباز۔" ندیم کی آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی تو میرے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ "ہمارے پاس صرف دو گھنٹے کی مہلت ہے اور ان دو گھنٹوں کے اندر اندر ہمیں دانش کی موت یا زندگی کے بارے میں کوئی اہم فیصلہ کرنا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"کیا ارادہ ہے تمہارا؟" ندیم نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔ "کیا دانش کی خاطر تم مسٹر پانڈے کو دس لاکھ کی رقم پہنچانے پر آمادگی کا اظہار کر دو گے؟"

"نہیں۔" میں نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ "میں دانش کے ساتھ ساتھ خود کو بھی حالات کی صلیب پر چڑھا دوں گا لیکن ناپاک قوتوں کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکوں گا۔"

"گڈ۔" ندیم کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک پیدا ہوئی۔ "زندگی میں شاید تم نے پہلی بار ایک کام کی بات کی ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"مطلب میں تمہیں واپس آ کر سمجھاؤں گا۔" وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "لیکن جب تک میں واپس نہ آؤں یا میری کوئی فون کال تمہیں نہ ملے تم گھر سے باہر قدم نکالنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"شکار کھیلنے اور وہ بھی شیر کی کچھار میں گھس کر۔ تم آنٹی کا خیال رکھنا۔" ندیم نے کہا پھر وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر پریشان خیالات کا ہجوم ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ میں کشمکش کے عالم میں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ندیم کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک اس بات کی غماز تھی کہ وہ کسی اہم نتیجے پر پہنچ چکا ہے لیکن اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اتنی عجلت میں کہاں جا رہا تھا۔ اس کے آخری جملے میرے کانوں میں گونج رہے تھے کہ اچانک کاکا کی مانوس آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"شہباز۔ بہت بے کل دکھائی دے رہے ہو؟"

aazzamm@yahoo.com

"کاکا۔" میرے ذہن میں امید کی ایک کرن تیزی سے کوندی۔ "کیا تمہیں نہیں معلوم کہ۔"

"مجھے کچھ بتانے کی کوشش مت کرو۔" اس نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں سب کچھ جانتی ہوں پرنتو مجھے تم سے ایک شکایت بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تمہارے من میں اب کاکا کے لیے وہ تڑپ نہیں رہی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔"

"نہیں۔" میں نے وضاحت کی۔ "تمہارا خیال غلط ہے۔ میری ماں کی زندگی بچا کر تم نے میرے اوپر جو احسان کیا ہے میں کبھی۔۔۔"

"سنجیدہ مت ہو شہباز۔" کاکا نے کہا۔ "میں تم سے چھیڑ کر رہی تھی۔ تم کیول ہنستے بولتے اچھے لگتے ہو۔"

"ہنسنا بولنا انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی حالات اور واقعات انسان کو آنسو بہانے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔"

"اتنی جلدی نراش مت ہوا کرو۔ سمے ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔"

"لیکن میرے ساتھ جو آنکھ مچولی کھیلی جا رہی ہے اس نے میرے اعصاب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں اب اپنی کاکا پر وشواس نہیں رہا؟" اس کے لہجے میں شکایت تھی۔

"ایک بات کہوں۔ برا تو نہیں مانو گی؟"

"کہو۔ تمہاری باتیں مجھے ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔"

"پہلے تم خود سے میرا خیال رکھتی تھیں۔ تمہارے احسانات بے شمار ہیں لیکن اب۔۔۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" کاکا سنجیدہ ہو گئی۔ "شنکر جیسے دشٹ کے ساتھ تمہارے کارن یدھ کرنے کے بعد دیوی دیوتاؤں نے تمہاری کاکا رانی پر کچھ پہرے بٹھا دیے ہیں پرنتو میں اب بھی تمہاری داسی ہوں۔ تم جب بھی سچے من سے آواز دو گے میں تمہیں جواب ضرور دوں گی۔"

"موہنی کی شکتی مجھے اپنے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر رہی ہے۔"

"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میں موت گوارا کر لوں گا لیکن اس کے سامنے کبھی گھٹنے نہیں ٹیکوں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

"شاید تم نے دانش کو پیش آنے والے حادثے کا اثر اپنے من پر بہت گہرا لیا ہے۔"

"کیوں کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا؟"

"تم نہیں جانتے شہباز لیکن میں جانتی ہوں کہ موہنی کی شکتی تم سے کیا چاہتی ہے۔"

"کیا چاہتی ہے؟"

"میں ابھی تم کو کچھ نہیں بتا سکتی۔" کاکا نے جواب دیا۔ "اگر میں نے ایسا کیا تو میری رہی سہی شکتی بھی جاتی رہے گی۔"

"کاکا۔" میں نے بڑی حسرت سے کہا۔ "کیا تم دانش کے سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں؟"

"کیا چاہتے ہو تم؟"

"دانش کی زندگی۔"

"کاکا تمہیں وچن دیتی ہے کہ موہنی جیسی ہزاروں شکتیاں مل کر بھی دانش کو کوئی کشٹ نہیں دے سکتیں۔" کاکا نے کہا۔ "پرنتو ایک بات یاد رکھنا کہ ابھی تمہاری کاکا رانی کھل کر سامنے نہیں آ سکتی۔"

"کاکا۔" میں نے لگاوٹ کا اظہار کیا۔ "کیا میں تمہیں پھر اسی روپ میں دیکھ سکتا ہوں جس حسین روپ میں تم مجھے پہلے نظر آئی تھیں۔"

"کاش میں تمہارے من میں جھانک کر دیکھ سکتی کہ تمہیں مجھ سے کتنا پیار ہے۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں اعتبار نہیں ہے میری بات کا؟"

"بات وشواس کی نہیں بلکہ اس چھایا کی ہے جس نے کاکا کو بھی تمہارے من کی گہرائیوں میں جھانکنے سے روک رکھا ہے۔" کاکا نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ "شہباز۔ کیا تم مجھے ابھی نہیں بتاؤ گے کہ وہ کون سی شکتی ہے جس کی وجہ سے ابھی تک موہنی بھی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی؟"

"تم نے یہی سوال مجھ سے پہلے بھی کئی بار کیا ہے۔" میں نے انجان بن کر جواب دیا۔ "لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کون سی قوت ہے جو ابھی تک مجھے پراسرار قوتوں کے مقابلے میں پناہ دے رہی ہے۔ شاید خدا کو ابھی میری موت منظور نہیں ہے ورنہ تم جانتی ہو کہ شنکر اور اس کے گرو پنڈت جسی دھر نے مجھے اپنے پیروں تلے کچلنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔"

"ہاں۔ مجھے یاد ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم نے اپنی کاکا رانی کے کارن پنڈت جسی دھر کو اس سے چھیڑا تھا جب وہ برف پوش پہاڑوں کی گپھا میں بیٹھا مجھے حاصل کرنے کے لیے جاپ کر رہا تھا لیکن ابھی تک مجھے اس بات کی کھوج ہے کہ وہ کون سی شکتی تھی جس نے جسی دھر جیسے مہان پنڈت کو اس کے منڈل سے باہر نکالا تھا۔ وہ تمہارے بس کا روگ نہیں تھا۔ کالی کے نام پر وہ جو جاپ کر رہا تھا۔ میں بھی اس کا توڑ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے وشواس ہے کہ اس سے بھی اس شکتی نے تمہاری سہائتا کی ہوگی جس نے کاکا اور تمہارے من مندر کے درمیان گھپ اندھیرے کی ایک دیوار کھڑی کر رکھی ہے۔"

"تم اس کو میرے جذبوں کی صداقت کا نام بھی دے سکتی ہو۔" میں نے کاکا کو پھر خوبصورتی سے فریب دینے کی کوشش کی۔ "پیار سچا ہو تو اس کے بیچ جسی دھر جیسے مہان پنڈتوں کے جاپ منتر بھی بے کار ہو جاتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے تم سچ کہہ رہے ہو۔" کاکا کے جواب میں غیر یقینی کی کیفیت کی آمیزش تھی۔

"پانڈے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔ "کیا اس نے موہنی اور کومل ورما کے بارے میں مجھ سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے؟"

"ہاں۔ پانڈے کی حالت بھی اسی مکھی جیسی ہے جو کسی مکڑی کے جال میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔" کاکا نے سنجیدگی سے کہا۔ "موہنی کی شکتی نے اسے اپنے جال میں جکڑ رکھا ہے۔ پانڈے اس کے اشاروں پر ناچنے کو مجبور ہے۔ جس دن اس نے ایسا نہ کیا وہ اس کے جیون کا آخری دن ہوگا۔"

"دانش کو کن لوگوں نے شکار کیا ہے؟" میں اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

"ان ہی لوگوں نے جنہوں نے تمہارے گھر کو آگ لگائی تھی۔"

"کیا تم ان حرامزادوں کی نشاندہی کر سکتی ہو؟" میں نے اپنی حقارت کا اظہار کیا۔

"وہ دھن کے پجاری ہیں۔" کاکا نے جواب دیا۔ "زندگی اور موت کا کھیل رچانا ان کی عادت ہے۔ تم انہیں منہ مانگی رقم دو تو وہ اپنے بھائی کے خون سے بھی ہاتھ رنگ سکتے ہیں۔"

"لیکن۔۔۔"

"میں اب جا رہی ہوں شہباز۔" کاکا نے تیزی سے جواب دیا۔ "اگر سمے ہاتھ سے نکل گیا تو میں تمہارے ساتھی کو نہیں بچا سکوں گی۔"

میں نے دوبارہ کاکا کو آواز نہیں دی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے نام کو زبان تک لانے سے گریز کر رہی تھی۔ مگر کیوں؟ کیا وہ بھی موہنی کی کالی قوتوں کے آگے بے بس تھی؟

☆

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا میری وحشت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ فون کرنے والے نے دانش کے سلسلے میں "ہاں" یا "نہیں" کے لیے صرف دو گھنٹے کا وقت دیا تھا۔ ان دو گھنٹوں کے اندر اندر مجھے کوئی نہ کوئی آخری فیصلہ کرنا تھا۔

میرا ذہن حالات کی بکھری ہوئی کڑیوں کو ملانے کے سلسلے میں پوری طرح کوشاں تھا۔ مختلف سوالات میرے دماغ میں صدائے بازگشت بن کر ابھر رہے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ طے ہو چکی تھی کہ میرے مکان کو موہنی کے اشارے پر دہشت گردوں نے آگ لگائی تھی جس کی اجرت پانڈے کو ادا کرنی تھی لیکن پانڈے ان دہشت گردوں سے ناواقف تھا اس کی دہشت گردوں سے فون پر بات ہوئی تھی۔ کم از کم پانڈے کا یہی بیان تھا اور میرے اندازے کے مطابق اس نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ دوسری شکل میں وہ اس بات کو کبھی تسلیم نہ کرتا۔ کاکا کا بیان بھی یہی تھا کہ پانڈے کو محض کھلونے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا وہ آگ کس نے لگائی اور اس تخریب کاری کے سلسلے میں اسے کتنی قیمت ادا کرنی تھی؟

لیکن دانش۔۔۔

دانش کو ان دہشت گردوں یا ان کے کسی ساتھی کا سراغ کس طرح مل گیا تھا۔ کیا یہ محض ایک اتفاق تھا یا پھر مجھے گھیرنے کی خاطر گندی قوتوں نے میرے خلاف کوئی سازشی جال بنا تھا؟ کاکا جانتی تھی کہ وہ تخریب کار کون تھے لیکن میرے آخری سوال کے جواب میں وہ جلدی جانے کا بہانہ بنا کر مجھے ٹال گئی تھی؟ آخر کیوں۔ کیا کاکا بھی دوستی کی آڑ میں چھپ کر میری پشت پر خنجر گھونپنے کی ناپاک سازش کر رہی تھی؟ اگر وہ میری ماں کو موہنی کے گندے ہاتھوں سے [illegible] دلا سکتی تھی تو پھر میرے مکان کو بھی نذر آتش ہونے سے بچا سکتی تھی۔

میرے ذہن میں مختلف وسوسے ابھر رہے تھے۔ میں نے ٹہلتے ٹہلتے دستی گھڑی پر نظر ڈالی۔ دہشت گردوں کی جانب سے فون موصول ہوئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد انہیں میرے "ہاں" یا "نہیں" کے جواب میں دانش کی زندگی کا فیصلہ کرنا تھا۔

ندیم نے جاتے وقت مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے البتہ اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ شیر کا شکار کھیلنے کی خاطر اس کی کچھار کی سمت جا رہا ہے۔ جاتے وقت ندیم کی نگاہوں میں ایک تیز چمک ابھری تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے ڈور کا کوئی سرا اس کے ساتھ آ گیا ہو لیکن ندیم نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ میرے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ میں جیسے حالات کے شکنجے میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ میرا دم گھٹ رہا تھا لیکن بظاہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ گزرتے وقت کا ایک ایک لمحہ میری رگوں میں دوڑتے خون کی گردش کو تیز کر رہا تھا پھر یکلخت میرے ذہن میں پانڈے کا نام ابھرا۔ میں تیزی سے لپک کر فون کے قریب آیا اور اس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دہشت گردوں نے دانش کی زندگی کی قیمت دس لاکھ مقرر کی تھی اور ان کے حکم کے بموجب مجھے وہ رقم پانڈے کو پہنچانی تھی۔ ہو سکتا تھا مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے پانڈے سے میرے سلسلے میں بات کی ہو اور دس لاکھ کے بارے میں کچھ ہدایت دی ہو۔

"ہیلو۔" تیسری گھنٹی بجنے کے بعد خود پانڈے نے کال ریسیو کی تھی۔

aazzamm@yahoo.com